پیغمبرِ اسلامؐ

مولانا وحید الدّین خاں

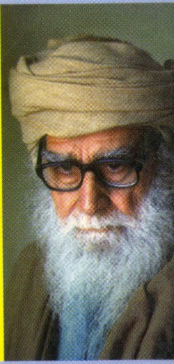

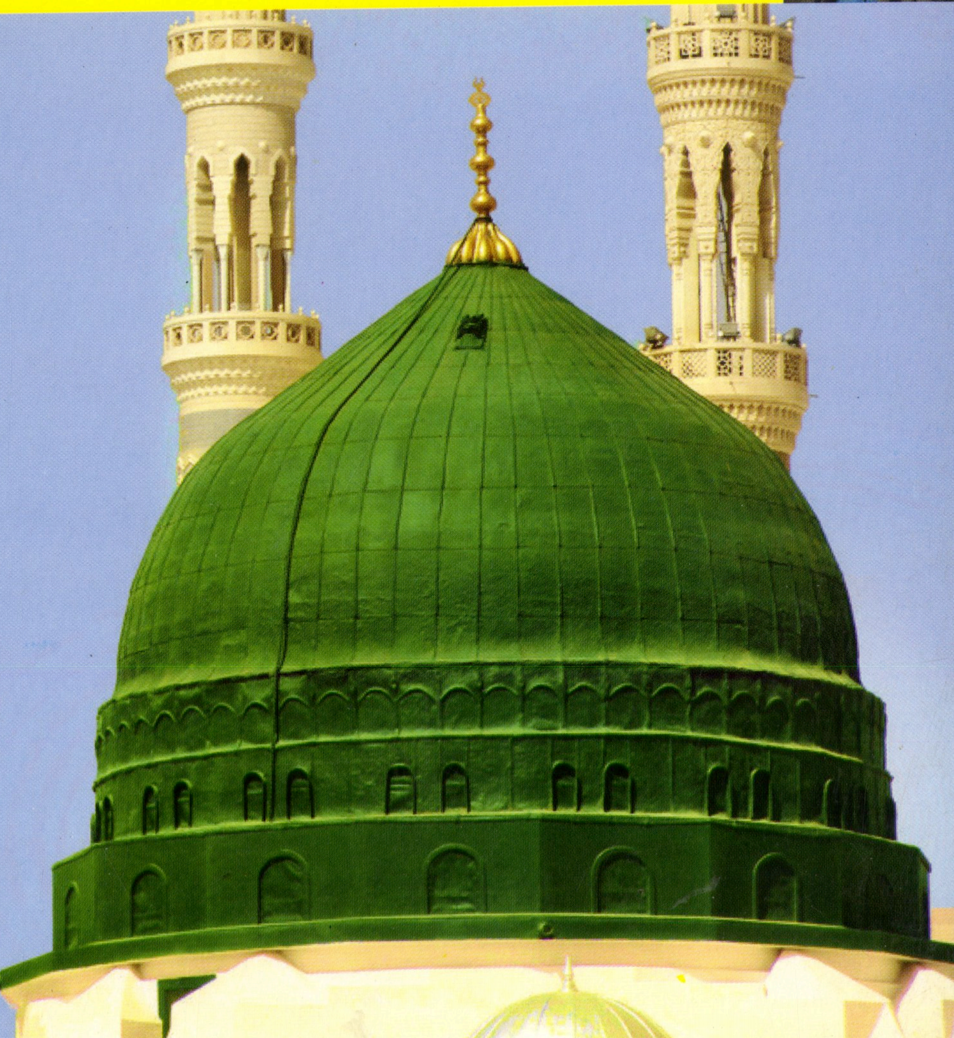

پیغمبر اسلام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے پیغام
کے بارے میں غیر مسلم علماء اور محققین کے مضامین

مرتبہ
مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ ، نئی دہلی

فہرست

دیباچہ	۳
شجرۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)	۴
حضرت محمدؐ (حالات و واقعات)	۵
حضرت صاحب کی تعلیم	۱۴
پیغمبر اسلام (انگریزی سے ترجمہ)	۱۶
نادر ترین ظاہرہ (The Rarest Phenomenon)	۲۳
عظیم ترین انسان (On the Top of the Hundred Bests)	۲۸
آپ سب سے بڑے تھے (انگریزی سے ترجمہ)	۲۹

Paighambar-e-Islam
By Maulana Wahiduddin Khan

First Published 1985
Reprinted 2015

This book is copyright free

Goodword Books
A-21, Sector 4, NOIDA-201301, India
Tel. +91-8588822672, +91120-4314871
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکہ سے ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے "ایک سو"۔ اس کتاب میں ساری انسانی تاریخ کے ایک سو ایسے آدمیوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے، مصنف کے نزدیک، تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے۔ کتاب کا مصنف نسلی طور پر عیسائی اور تعلیمی طور پر سائنس داں ہے۔ مگر اپنی فہرست میں اس نے نمبر ایک پر نہ حضرت مسیح کا نام رکھا ہے اور نہ نیوٹن کا۔ اس کے نزدیک وہ شخصیت جس کو اپنے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا جائے وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ آپ نے انسانی تاریخ پر جو اثرات ڈالے وہ کسی بھی دوسری شخصیت، خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، نے نہیں ڈالے۔ مصنف نے آپ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels
Dr. Micheal H. Hart, *The 100,* New York 1978

آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے۔ مذہبی سطح پر بھی اور دنیوی سطح پر بھی۔ ٹامس کارلائل (انگریز) نے پیغمبر اسلام کو نبیوں کا ہیرو قرار دیا تھا۔ مائیکل ہارٹ (امریکی) نے آپ کو ساری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انسان قرار دیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی عظمت اتنی واضح ہے کہ وہ صرف آپ کے پیروؤں کے ایک "عقیدہ" کی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک مسلّمہ تاریخی واقعہ ہے اور ہر آدمی جو تاریخ کو جانتا ہے وہ مجبور ہے کہ اس کو بطور واقعہ تسلیم کرے۔

کوئی شخص اوپر نظر ڈالے تو اس کو ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آئے گا۔ اسی طرح انسانی زندگی میں جس طرف بھی دیکھا جائے، پیغمبر اسلام کے اثرات نمایاں طور پر اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ساری بہترین قدریں اور تمام اعلیٰ کامیابیاں جن کو آج اہمیت دی جاتی ہے وہ سب آپ کے لائے ہوئے انقلاب کے براہ راست یا بالواسطہ نتائج ہیں۔ مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی۔ اعتقادیات کو توہمات کے بجائے حق کی بنیاد کس نے عطا کی۔ سائنس میں فطرت کی پرستش کے بجائے فطرت کو مسخر کرنے کا سبق کس نے دیا۔ سیاسیات میں نسلی شہنشاہیت کے بجائے عوامی حکومت کا راستہ کس نے دکھایا۔ علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی طرح کس نے ڈالی۔ سماج کی تنظیم کے لئے ظلم کے بجائے عدل کی بنیاد کس نے فراہم کی۔ جواب یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کو پیغمبر اسلام سے ملیں۔ آپ کے سوا کوئی نہیں ہے جس کی طرف حقیقی طور پر ان کارناموں کو منسوب کیا جاسکے۔ دوسرے تمام افراد آپ کے انقلابی دھارے کو استعمال کرنے والے ہیں نہ کہ اس کو وجود میں لانے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان بنا کر انسانی نسل پر اپنا سب سے بڑا احسان فرمایا ہے۔ اس طرح معلوم تاریخ میں ایک ایسا بلند ترین مینار کھڑا کر دیا گیا ہے کہ آدمی جس طرف بھی نظر ڈالے وہ آپ کو دیکھ لے۔ جب وہ اپنے رہنما کی تلاش میں نکلے تو اس کی نظر سب سے پہلے آپ پر پڑے۔ جب وہ حق کا راستہ جاننا چاہے تو آپ کا بلند و بالا وجود اس کو سب سے پہلے اپنی طرف متوجہ کرے۔ آپ ساری انسانیت کے لئے ہادی اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لئے آپ کو اتنے بلند تاریخی مقام پر کھڑا کیا گیا ہے کہ کوئی آنکھ والا جب آنکھ اٹھائے تو آپ کو دیکھے بغیر نہ رہ سکے۔

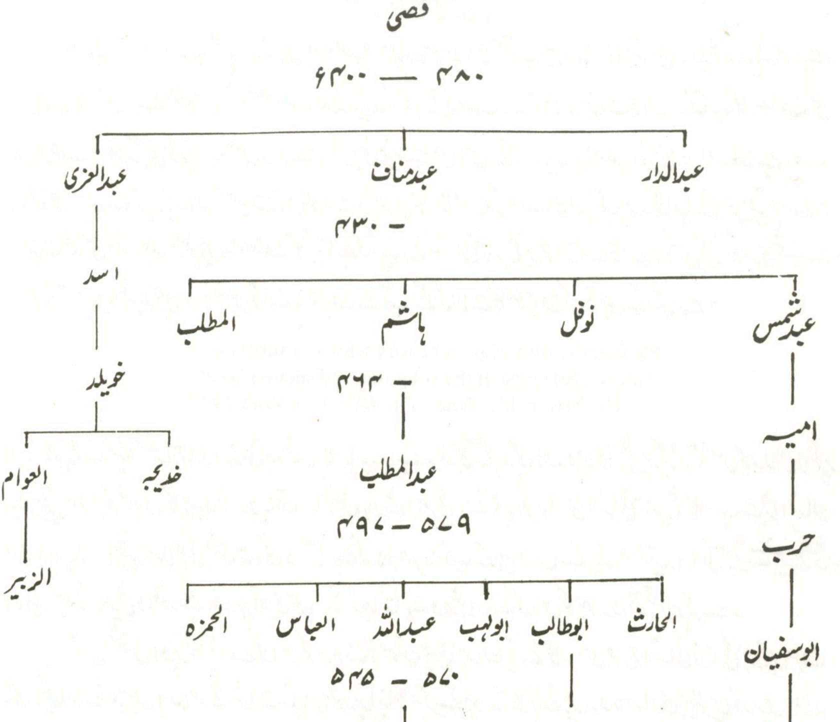

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

حضرت محمدؐ

۱

جب وقت حضرت محمدؐ صاحب کے ظہور کا ہوا، ملک عرب میں بہت سی مذہبی، مجلسی اور اخلاقی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انسانی زندگی کو لوگ کھلونوں کی طرح بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ذرا سی بات پر کسی کی جان لے لینا ان کے لئے محض تماشا تھا۔ عورتوں کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ ایک ایک مرد آٹھ آٹھ دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ شادیاں کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی تجارت عام تھی۔ شراب خوری کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کے گھروں میں گھڑے کے گھڑے بھرے رکھے رہتے تھے۔ لوگ شراب میں بدمست ہو کر بہت سی بے ہودہ کارروائیاں کرتے تھے۔ قمار بازی بہت زوروں پر تھی۔ بت پرستی کا یہ حال تھا کہ ہر ایک گھرانے اور خاندان میں علیحدہ علیحدہ بت موجود تھے۔

عرب کی اس افسوس ناک حالت کا نقشہ مولانا حالی صاحب نے اپنی مشہور نظم مسدس حالی میں خوب کھینچا ہے۔ جب عرب کی یہ حالت تھی تو ضروری تھا کہ اس کو دور کرنے کے لئے خداوند تعالےٰ کے اٹل قانون کے مطابق کوئی اس کا خاص بندہ آتا اور اس حالت کو دور کرتا۔

چنانچہ قریش قبیلے میں عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں ۲۹ اگست ۵۷۱ء کو حضرت محمد صاحب پیدا ہوئے۔ مگر افسوس کہ ان کے باپ ان کی پیدائش سے چند ماہ پیشتر ہی چوبیس برس کی عمر میں اس جہان سے چل بسے تھے، اور ان کے دادا عبدالمطلب نے ان کی پرورش کا انتظام کیا۔ کچھ روز ان کی والدہ حضرت آمنہ نے انھیں اپنا دودھ پلایا پھر ان کو ایک دایہ حلیمہ نامی کے سپرد کر دیا۔ ابھی چھ سال کے ہونے نہ پائے تھے کہ والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور کچھ عرصے بعد ان کے دادا بھی انتقال فرما گئے۔ اب ان کی پرورش ان کے چچا ابوطالب کے ذمے ہوئی۔

ان میں شروع سے ہی غور و فکر کی عادت تھی۔ اکثر چپ چاپ بیٹھے زندگی کے مختلف مسائل سوچا کرتے تھے۔ ان کے چچا ان کا دل بہلانے اور کچھ کاروبار سکھلانے کی غرض سے، جب وہ تجارت کے سلسلے میں باہر جاتے تو انھیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ قدرت نے ان کے اندر شروع سے ہی راست بازی اور دیانت داری کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ بہت سے لوگ آ کر ان سے اپنے جھگڑوں اور تنازعوں کا فیصلہ کراتے تھے۔ ان سفروں میں پہاڑوں اور سمندروں کے نظاروں نے ان کے دل پر خدا کی قدرت کا سکہ خوب بٹھا دیا۔

۲

جب ان کی عمر پچیس برس کی تھی۔ تو انھیں خدیجہ نامی ایک بیوہ نے ان کی شہرت اور دیانت داری کا حال سن کر بلا بھیجا۔ اور بہت سا مال دے کر تجارت کی غرض سے یمن کی طرف بھیجا۔ انھیں چچا کے ساتھ رہتے رہتے تجارت کا کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے خدیجہ کے مال کو بہت نفع پر فروخت کیا۔ ان کو دوگنی تنخواہ پیش کی گئی۔ اور ان کی خوبیوں سے

متاثر ہوکر خدیجہ نے ان سے شادی کی درخواست کی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورہ سے خدیجہ کی درخواست منظور کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس وقت خدیجہ کی عمر پینتالیس برس کی تھی۔ اور حضرت صاحب پچیس برس کے تھے۔ پندرہ سال کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا، اور انھیں بہت رنج ہوا۔ ان کی موت کے بعد اکثر حضرت صاحب بہت محبت اور شکر گزاری سے انھیں یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت صاحب نے ایک غلام زید نامی کی حالت کمزور دیکھ کر اسے خدیجہ سے مانگ لیا اور فوراً آزاد کر دیا۔ آزادی ملنے پر زید نے اپنے گھر جانا پسند نہیں کیا، بلکہ تمام عمر حضرت محمدؐ صاحب کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت صاحب اپنے ہم وطنوں کی جہالت اور خرابیوں کو دیکھ کر ہر وقت اداس رہتے تھے۔ اکثر تنہائی میں اپنا وقت گزارتے اور گڑگڑا کر خدا کی درگاہ میں دعا کرتے کہ اے خدا، انھیں گناہوں سے بچا اور ان کا دل اپنی طرف پھیر۔ آخر خدا نے ان کے پاک دل کو اپنے نور سے بھر دیا۔ اور یہ محسوس کرنے لگے کہ خدا چاہتا ہے کہ میں اس کا رسول بن کر لوگوں کو اس کی پرستش کی طرف راغب کروں۔ جب ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور غار حرا میں بیٹھے ہوئے خدا کے دھیان میں محو تھے، تو اچانک ایک آواز ان کے کان میں پڑی کہ "اے محمدؐ! اُٹھ اور خدا کا نام لے کر پڑھ، تجھ پر وہ راستہ کھولا گیا ہے، جس کی تو تلاش میں تھا"۔ یہ آواز سن کر وہ کانپ اٹھے۔ گھبرائے ہوئے اور پسینوں میں تر گھر پہنچے اور سارا قصہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا۔ انھوں نے حضرت کو تسلی دی اور کہا کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں اور آپ کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ ان پر ایمان لائیں۔ اور بعد میں حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ اور چند لوگوں نے انھیں تسلیم کیا۔ اور ان پر ایمان لے آئے۔

تین سال تک تو حضرت محمدؐ صاحب چپکے چپکے اپنے چند دوستوں اور رشتے داروں کو خدا کا حکم سناتے رہے۔ آخر ایک دفعہ تمام اپنے رشتے داروں، دوستوں اور قبیلے والوں کو جمع کر کے ان کو بتلایا کہ میں خدا کی طرف سے تمھیں اس وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی تلقین کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ یہ سن کر لوگوں نے بہت شور مچایا۔ اور کہا کہ تو غلط کہتا ہے۔ مگر انھوں نے کچھ پرواہ نہیں کی اور باقاعدہ مختلف مقامات پر وعظ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے حضرت کے چچا ابو طالب کے پاس جا کر کہا تو اپنے بھتیجے کو سمجھا کہ اس کفر سے باز آئے ورنہ ہم اس کے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے۔ ابو طالب نے بہت سمجھایا کہ بیٹا مفت میں تم کیوں لوگوں سے بیر باندھتے ہو۔ مزے سے زندگی بسر کرو۔ نہ جانے یہ لوگ غصہ میں آ کر کیا کر بیٹھیں۔ مگر محمدؐ صاحب نے کہا کہ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں اپنے ارادے سے باز نہیں آ سکتا۔ خدا نے میرے سپرد یہ کام کیا ہے۔ اس کا بجا لانا میرا فرض ہے۔ چاہے ایسا کرنے میں میری جان تک بھی جاتی رہے۔ جب ابو طالب کو یہ معلوم ہوا کہ محمدؐ اپنے ارادے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے تو کہا۔ اچھا کچھ ہی ہو میں تیری حفاظت کروں گا۔ چچا کی زبان سے یہ حوصلہ افزا الفاظ سن کر ان کا جوش بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اور خوب زور سے اپنے مشن کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔

اب حضرت صاحب کے پیروؤں کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ قریشیوں کی مخالفت بھی بڑھ گئی۔ انھوں نے ان کو طرح طرح کے لالچ دئے۔ دھمکیاں بھی دیں۔ ان کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا۔ مگر انھوں نے ان کی

مخالفتوں کی مطلق پرواہ نہ کی۔ خود حضرت صاحب کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی ان کے سخت مخالف ہوگئے۔ اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے یہاں تک کہ جب وہ صبح کو منھ اندھیرے عبادت کے لیے جنگل میں جاتے تو چچی ان کے راستے میں کانٹے بچھا دیتی اور ان کے پاؤں اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب یہ نماز پڑھ رہے تھے تو ایک شخص نے ان کے گلے میں پٹکا ڈال کر گلا گھونٹنا چاہا۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ موقع پر پہنچ گئے اور انھوں نے ان کی جان بچائی۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھتے تو لوگ ان کے کھانے میں کوڑا کرکٹ گرا دیتے۔ کئی دفعہ ان پر گندگی پھینک دیتے۔ ان کی لڑکی کپڑوں پر پانی ڈالتی جاتی اور روتی جاتی۔ مگر یہ کہتے بیٹی کچھ پرواہ نہیں۔ خدا خود میری حفاظت کرے گا۔

اسی طرح ان کے پیروؤں کو بھی لوگ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ان کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے، ان کو گرم ریت پر لٹا دیتے۔ ان کی عورتوں کو ننگا کر کے بہت بے عزت کرتے۔ مگر یہ لوگ اعتقاد کے ایسے پکے تھے کہ ہر قسم کا دکھ اٹھا کر بھی اسلام کو نہ چھوڑتے اور ہر حالت میں خدا کا شکر کرتے۔

۳

قریش کے ظلم وستم سے تنگ آکر بہت سے مسلمان حبش کے علاقے میں چلے گئے۔ اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی پناہ لی۔ لیکن وہاں بھی مخالفوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور بادشاہ سے جاکر کہا کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ اور ایک نیا دین نکالا ہے۔ جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے۔ انھیں پناہ نہ دو۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلاکر سب حال دریافت کیا۔ اور جب جعفر نے بادشاہ کو بتلایا کہ ہم لوگ پہلے جاہل تھے۔ بت پرستی کرتے تھے۔ گندی اور فحش باتیں بکتے تھے۔ لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ جوا کھیلتے تھے۔ غرض ہر قسم کی بدکاریوں میں مبتلا تھے۔ خدا نے ہمارے لئے رسولؐ بھیجا۔ اور اس نے ہمیں نیکی کی طرف مائل کیا۔ یہ سن کر نجاشی کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ یہ میری پناہ میں آئے ہیں، میں انھیں یہاں سے نکال نہیں سکتا۔ یہ سن کر مخالفین اپنا سا منھ لے کر واپس چلے گئے۔

مسلمانوں کے حبش میں چلے جانے کے بعد حضرت صاحبؐ مکہ میں برابر وعظ کرتے رہے۔ اس اثنا میں دو زبردست ہستیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک تو خود ان کے چچا حمزہؓ جو بہت بارسوخ شخص تھے اور دوسرے عمر جو بعد میں حضرت عمر رضؓ کہلائے۔ حضرت عمر رضؓ پہلے ان کے جانی دشمن تھے۔ اور تلوار گلے میں ڈال کر ان کے قتل کو نکلے تھے۔ مگر قرآن شریف کی چند آیتیں سن کر ان کے پیرو بن گئے۔ اور چار یاروں میں شمار ہونے لگے۔ جب ان کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ انھوں نے مکہ چھوڑ کر طائف میں قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں کے لوگ پہلے ہی ان کے مخالف تھے۔ جب ان کا وعظ سنا تو بہت برافروختہ ہوئے۔ اور انھیں وہاں سے نکال دیا۔ مکہ والوں نے انھیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ مگر ایک شخص مطعم نامی نے لوگوں کو بہت لعنت ملامت کی اور کہا کہ میں محمدؐ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس طرح وہ مکہ میں رہنے لگے۔ مگر شریر لوگ مخالفت سے کب باز آنے تھے۔ انھوں نے مطعم کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت صاحبؐ نے جب دیکھا کہ میری وجہ سے بے چارے مطعم کو بھی سخت تکلیف دی جاتی ہے تو انھوں نے کہہ دیا کہ میں اب آپ کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا۔ خدا میرا محافظ ہے۔ جو ہو گا میں برداشت کروں گا۔ مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میرے سبب سے آپ کو تکلیف ہو۔

اب ان کا وعظ سن کر بہت سے لوگ ان کے پیرو بن گئے۔ فضیل نامی رئیس جو اس ڈر سے کہ ان کا کلام اس کے کان میں نہ پڑ جائے اور اس پر اثر ہو جائے اپنے کان میں روئی ٹھونس لیتا تھا ایک دفعہ جلدی میں ٹھونسنا بھول گیا اور ان کا وعظ سن کر ان کا پیرو بن گیا۔ ایک دفعہ جب وہ تاجروں اور جاتریوں کو وعظ کر رہے تھے۔ تو چند مدینے کے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ ان کا وعظ سن کر وہ ان کے پیرو بن گئے۔ اور اپنے ساتھ اسلام کا واعظ لے گئے۔ وہاں بہت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر ان کو مدینہ بلایا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان مدینے چلے گئے۔ مدینہ والوں نے حضرت صاحب اور مسلمانوں کا بہت تپاک سے استقبال کیا۔ مسلمانوں کو اپنے گھروں پر ٹھیرایا۔ ان کو کاشت کے لئے اپنی زمینیں دے دیں اور ہر طرح ہمان کو برادرانہ حقوق عطا کئے۔

حضرت صاحبؐ نے کچھ روز مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا نامی آبادی میں قیام کیا۔ حضرت علیؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے پہلی مسجد نماز کے لئے بنوائی۔ اس کے بنانے میں خود آپ نے صحابہ کے ساتھ مل کر مزدوروں کا کام کیا۔ مدینہ والوں کے زور دینے پر آپ مدینہ گئے۔ اور ارادہ کیا کہ جہاں میری اونٹنی ٹھیر جائے گی وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوایوبؓ کے مکان کے پاس اونٹنی ٹھیر گئی اور آپ نے وہیں قیام کیا۔ وہاں اگرچہ زمین مفت ملتی تھی مگر آپ نے قیمت دے کر زمین خریدی اور یہاں انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ محنت مزدوری کر کے مسجد بنائی۔ اس وقت مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ نماز پڑھنا نصیب ہوا۔ اور جمعہ کا دن جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کے لئے مقرر ہوا۔ مدینے میں مسلمانوں کی رہائش اور گزارے کا تسلی بخش انتظام کر کے آں حضرتؐ نے یہودیوں کے ساتھ عہدنامہ کر کے ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ یہودی لوگ اپنے اقرار پر قائم نہ رہے۔ اور بعد میں مسلمانوں کے مخالفوں کے ساتھ سازباز کر کے انھیں بہت تکلیف دیتے رہے۔

٤

گو اب مسلمان مدینے میں امن وامان سے رہتے تھے۔ لیکن ان کے دشمنوں کو یہ گوارا نہ تھا۔ کہ وہ اس طرح پر آزادی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ وہ تو چاہتے تھے کہ اگر ان کا بس چلے تو مسلمانوں کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ انھوں نے عبداللہ نامی ایک شخص سے جو مدینے میں رہتا تھا اور دل ہی دل میں حضرت صاحب کا روز افزوں رسوخ دیکھ کر بہت جلتا تھا، خط وکتابت کرنی شروع کی اور اس سے کہا کہ حضرت صاحب کو مدینے سے نکال دے۔ مگر جب وہ کچھ نہ کر سکا تو اس نے اور مخالفوں نے آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے برخلاف بہت بھڑکایا۔ اور یہ سب لوگ بہت سی جمعیت لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ آں حضرت جنگ نہ چاہتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی حفاظت کے لئے خدا سے دعا کر کے تین سو آدمی لے کر آگے بڑھے اور ان جاں باز لوگوں نے ایک ہزار آدمیوں کو سخت شکست دی اور بہت سے آدمی قید کر لئے۔ حضرت محمدؐ صاحب نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ضمانت لے کر انھیں چھوڑ دیا۔

اس شکست سے مخالفوں کو بہت صدمہ پہنچا۔ اور انھوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے تین ہزار آدمیوں کی زبردست فوج تیار کی اور بہت سا سامان جنگ جمع کیا۔ بہت سی

عورتیں بھی فوج کے ساتھ ہولیں۔ یہ فوج مدینے کی طرف روانہ ہوئی۔ حضرت صاحب نہیں چاہتے تھے کہ مقابلہ کیا جائے۔ مگر اور مسلمانوں کے زور دینے پر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے پاس صرف سات سو جوان تھے۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی کام آئے۔ خود آنحضرت زخمی ہوئے۔ اس خبر سے مسلمان مایوس ہو گئے اور ان کی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ اس لڑائی کے متعلق تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کو شکست ہوئی۔ بہر حال طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت صاحبؐ نے اپنے دشمنوں کے لئے دعا مانگی کہ اے خدا انھیں معاف کر۔ کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

اس جنگ کے بعد مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب ہم اسلام کو بالکل نیست و نابود کر کے چھوڑیں گے۔ کئی قبیلوں کے لوگوں نے مسلمان بننے کا بہانہ کر کے مسلمانوں کے بہت سے واعظوں کو قتل کر ڈالا۔ یہودی لوگ بھی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ چوبیس ہزار فوج تیار ہو گئی۔ مگر خدا کی غیبی طاقت مسلمانوں کی امداد کر رہی تھی اور ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے مدینے کے اس طرف جہاں پہاڑ نہ تھے۔ ایک خندق کھودنے کا ارادہ کیا۔ جس میں خود حضرت صاحبؐ نے ہاتھ میں پھاوڑہ لے کر مزدوروں کا کام کیا۔ خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ ایک رات سخت آندھی چلی اور موسلا دھار مینہ برسا۔ اور دشمنوں کے سب خیمے اکھڑ گئے۔ ان پر غضب کا خوف طاری ہو گیا۔ وہ سمجھے کہ خدا کی طرف سے قیامت نازل ہوئی ہے۔ ان میں سخت ابتری پھیل گئی اور سب لوگ اپنا بدھنا بوریا باندھ کر چلتے بنے۔ اس طرح پر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ درحقیقت اسے غیبی امداد ہی سمجھنا چاہیے۔ ورنہ اگر لڑائی ہوتی تو ایک بھی مسلمان نہ بچ سکتا تھا۔

یہودیوں کی شرارتیں برابر جاری تھیں۔ حضرت صاحبؐ تو ہر چند چاہتے تھے کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر کے چین سے مدینے میں رہیں۔ لیکن خندق کی لڑائی میں انھوں نے سخت غداری کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی تقریروں اور نظموں میں مسلمانوں اور خصوصاً حضرت صاحبؐ کی ہجو کرتے رہتے تھے۔ مسلمان عورتوں کو وہ آتے جاتے بہت تنگ کرتے تھے۔ ایک دفعہ زینب نامی یہودی عورت نے حضرت صاحبؐ اور بہت سے مسلمانوں کو دعوت دی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضرت صاحبؐ کو شبہ ہو گیا۔ اور خدا کی مہربانی سے سب کی جان بچ گئی۔ اس سازش میں بہت سے بڑے بڑے یہودی شامل تھے۔ اور کوئی ہوتا تو سب یہودیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتا۔ مگر آنحضرتؐ نے چند سرغنوں کو ہی سزا دینا کافی سمجھا۔

۵

اب سب کو یقین ہو گیا تھا کہ قریش اب خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ کیوں کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ حضرت صاحبؐ کا بھی یہ خیال تھا کہ اب قریش دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اس لئے انھوں نے حج کے ارادہ سے مکے جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ تیرہ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبے کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص ہتھیار یا لڑائی کا سامان اپنے ساتھ نہ لے جائے۔ اور صرف ایک تلوار میان میں

اپنی حفاظت کے لئے رکھے۔ جب وہ مکے کے قریب پہنچے تو قریش کو شبہ ہوا کہ مسلمان مکے پر حملہ کرنے آئے ہیں۔ جب قریش کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ ہم محض حج کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔ اور ہم چاہتے کہ قریش کے ساتھ صلح ہو جائے۔ چنانچہ کچھ قیل وقال کے بعد صلح کی چند شرطیں طے ہو گئیں۔ اور مسلمان بغیر حج کئے واپس آ گئے۔ بعض مسلمانوں نے اس کو بہت برا سمجھا۔ حضرت صاحبؐ نے اس موقع پر صلح کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اگر لڑائی ہوتی تو ایک مسلمان بھی زندہ واپس نہ آتا۔ کیوں کہ وہ بالکل جنگ کے لئے تیار تھے۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کہلاتا ہے۔

اس صلح کے بعد مسلمانوں کی طاقت دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ حضرت صاحبؐ نے مختلف مقامات پر اپنے واعظ بھیجے۔ اور مختلف سلطنتوں کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دی۔ کئی سلطنتوں نے اسلام کی بہت قدر کی اور مسلمانوں کو وعظ کرنے کی کھلی اجازت مل گئی۔

قریش کے لوگ صلح تو ضرور کر چکے تھے۔ مگر اسلام کی ترقی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ اسی تاک میں رہتے تھے کہ جب موقع ملے اسلام کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ وہ برابر چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ ایک دفعہ انھوں نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے آدمی کو عین کعبے میں قتل کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے قاصد بھیجا کہ کیا آپ حدیبیہ کے صلح نامے کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے۔ قریش نے ٹال مٹول کرنا چاہا۔ اور آخر کہہ دیا کہ وہ صلح نامہ قائم نہیں رہ سکتا۔

اب آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ روز روز کی جھک جھک ٹھیک نہیں ہے۔ اب قریش کو ایسا سبق سکھانا چاہئے کہ آئندہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے زور شور سے مکے پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور دس ہزار جرار فوج لے کر ۸ ہجری میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ قریش پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو جائے۔ اور وہ بلا جنگ کئے اطاعت قبول کرلیں۔ چنانچہ مکے سے چند میل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال دئے۔ اور سب نے اپنے اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلا دی۔ قریش یہ دیکھ کر کہ اس قدر اسلامی لشکر مکے پر چڑھ آیا ہے ڈر گئے۔ ابوسفیان جو اسلام کا جانی دشمن تھا، گو وہ دل میں اسلام کی روحانی قوت کو محسوس کرتا تھا، قاصد بن کر گیا۔ لیکن حضرت صاحبؐ کے نیک سلوک سے متاثر ہو کر اس نے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لی۔ حضرت صاحبؐ نے دریا دلی سے اسے معاف کر دیا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے واپس جا کر اعلان کر دیا کہ اب اسلام کا مقابلہ کرنا بے سود ہے جو شخص امان چاہتا ہے یا تو میرے گھر میں چلا آئے یا اپنا دروازہ بند کرلے۔ کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی۔

اب اسلامی لشکر مختلف طرفوں سے مکے میں داخل ہوا۔ حضرت صاحب نے فوج کے افسروں کو سخت حکم دے دیا کہ مکے والوں پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے اپنے رفیقوں کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔ شہر کے لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ نہ جانے اب کیا ہو گا۔ شاید آنحضرتؐ قتل عام کا ہی حکم دے دیں۔ اس لئے بہت سے لوگ شہر سے بھاگ جانے کا انتظام کر رہے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگ اس قدر خوف زدہ ہو رہے ہیں تو آپ نے اعلان کر دیا "کوئی مسلمان تلوار نہ چلائے۔ اور کوئی شخص شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ آج لڑائی اور انتقام کا دن نہیں ہے بلکہ آج شفقت اور رحمت کا دن ہے۔ میں تمھارا دشمن ہو کر نہیں آیا ہوں۔ اور نہ تم سے کسی قسم کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

میں تم سے وہی سلوک کروں گا۔ جو یوسفؑ نے مصر میں اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ میں تم کو جھڑکی تک بھی نہ دوں گا"۔

یہ اعلان سن کر لوگوں کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ واقعات پیش آئے جن کی مثال شاید ہی دنیا کی تواریخ میں کہیں ملتی ہو۔ ابو سفیان کو جو پہلے مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، آنحضرت نے مکے میں داخل ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔ اس کی بیوی ہندہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے خاوند نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئی۔ اور اپنے خاوند کی داڑھی پکڑ کر اسے جوتیوں سے خوب پیٹا۔ اور اس کے منھ پر تھوکا۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ کہ نہ جانے مجھے کیا سزا ملے۔ کیوں کہ اس نے لڑائی میں آنحضرتؐ کے چچا حمزہؓ کی لاش کا پیٹ چاک کر کے اور کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا۔ جب وہ آں حضرتؐ کے سامنے آئی تو شرم کے مارے منھ پر نقاب ڈال کر آئی۔ آں حضرتؐ نے کہا۔ اے ہندہ میں خوش ہوں کہ تو اپنے اعمال پر پشیمان ہے۔ تو صرف ایک خدا کی پرستش کیا کر۔ ہرگز جھوٹ نہ بولا کر اور ہمیشہ بدکرداری سے پرہیز کیا کر۔ یہ کہہ کر اسے بالکل معاف کر دیا۔ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئی۔

عکرمہ کو جس نے مکے میں داخل ہوتے ہی دو بے گناہ مسلمانوں کو تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کی بیوی کی سفارش پر معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص ہبار نامی کو جس نے آں حضرتؐ کی لڑکی زینب کو جب کہ وہ حاملہ تھیں پتھر مار کر ہلاک کر دیا تھا معاف کر دیا۔

طائف کے لوگوں نے جب آں حضرتؐ وہاں گئے تھے تو انھیں پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا پھر سر اٹھایا۔ ان پر چڑھائی کر کے ان کے قلعے فتح کر لیے۔ اور چھ ہزار فوجیوں کو قید کر لیا۔ لیکن وہاں کے لوگوں کی طرف سے یہ یقین دلانے پر کہ وہ ہمیشہ وفادار رہیں گے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور کسی کو بھی مسلمان بننے پر مجبور نہ کیا۔ حالاں کہ اگر وہ چاہتے تو سب کو مسلمان بنا سکتے تھے۔

اب اسلام تمام عرب میں پھیل چکا تھا۔ اور عربوں نے آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ آپ نے تمام صیغوں کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ محصول اور لگان کی وصولی کے قواعد بنائے۔ فوجوں کی باقاعدہ ترتیب اور تربیت کا انتظام کیا۔ سرحد کی حفاظت کے لئے چھاؤنیاں بنائیں۔ ہر ایک کے لئے آمدنی کا خاص حصہ زکوٰۃ میں دینا ضروری قرار دیا۔ مختلف قبیلوں کی بغاوتوں کو رفع کرنے کا خاص انتظام کیا۔

آس پاس کی عیسائی حکومتوں کو اسلام کی ترقی بہت ناگوار گزرتی تھی۔ اور وہ اکثر کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی تھیں۔ ان کی سرکوبی کا بھی خوب انتظام کیا اور تمام اردگرد کے حاکموں کے ساتھ عہد نامے کر لئے تاکہ تمام ملکوں میں امن و امان قائم رہ سکے۔ اب انھوں نے نہایت دھوم دھام سے حج کی تیاریاں کیں اور اس حج کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان شامل ہوئے۔ چند ہی سال میں اسلام کا تمام عرب میں پھیل جانا اور مختلف مخالف فرقوں اور قبیلوں کا آں حضرتؐ کا پیرو دین جانا دراصل ایک معجزہ تھا۔ شاید ہی کسی اور پیغمبر کو اپنی زندگی میں اس قدر کامیابی نصیب ہوئی ہو اس حج کے موقع پر ہر طرف بہشتی نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ جہاں چھوٹے بڑے امیر و غریب کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ہر طرف

انسانی مساوات کا دل کش اور دل فریب منظر تھا۔ اور سب اپنے محبوب کے گرد جمع ہو کر اپنے خالق خداوند تعالیٰ کی پرستش اور عبادت میں مصروف تھے۔

اب بیس بائیس سال کی لگاتار محنت اور مخالفوں کی سختیوں اور اذیتوں اور نیز جنگ و جدل وملکی انتظام کی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ کا جسم بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید ان مشکلات کا کبھی کا شکار ہو گیا ہوتا۔ مگر انسان آخر انسان ہے اس کی جسمانی طاقتیں آخر جواب دینے لگتی ہیں

چنانچہ آپ ۱۱ھ میں بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضؓ اور ان کے رفیقوں نے ان کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ آخری دن مسواک سے منہ صاف کیا۔ اور دوشنبہ کے دن ۸ جون ۶۳۲ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کی جدائی کا بے حد رنج ہوا۔ مگر حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کو بہت بہت دلاسا دیا۔ آخر وہ سب اس واقعہ کو خدا کی مرضی سمجھ کر چھاتی پر پتھر رکھ کر کے بیٹھ گئے۔

— ۶ —

آں حضرتؐ کی عادات بہت سیدھی سادی تھیں۔ ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ کرتہ، چادر اور تہ بند کے سوائے اور کپڑا نہ پہنتے تھے۔ خوراک کی سادگی کا تو یہ حال تھا کہ شاید غریب مزدور بھی آج کل ایسی سادہ خوراک نہ کھاتا ہو۔ جو کا آٹا ہانڈی میں آگ پر چڑھا دیا اور اوپر سے کچھ زیتون کا تیل، زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں اور آپ کا کھانا تیار ہو گیا۔ اکثر کھجوریں کھا کر ہی گزارہ کر لیا کرتے۔ غرض جو سامنے آتا وہی خدا کا شکر کر کے کھا لیتے تھے۔

صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خود اپنے ہاتھ سے اپنے مکان میں جھاڑو دے لیا کرتے تھے۔ اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے تھے اور پھٹے پرانے کپڑے خود سی لیا کرتے تھے۔ ان کے مکان میں ایک چارپائی، ایک پانی کی ٹھلیا اور ایک بورئے کے سوائے اور سامان موجود نہ رہتا تھا۔ ہمیشہ وہ اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اوائل عمر میں وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ گھر بار کے کام کاج میں اپنی بیویوں کا ہمیشہ ہاتھ بٹاتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے۔ بازار سے سودا سلف خرید لاتے۔ اونٹوں کو باندھ لیتے۔ اور ان کے آگے چارہ ڈالتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام سے انھیں عار نہ تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر انھوں نے مسجدیں بنائیں۔ مزدوروں کا کام کیا۔ کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے اور منھ کو خوب صاف کرتے تھے۔ داتن (مسواک) کیا کرتے تھے۔ بالوں میں ہمیشہ کنگھی کرتے اور کبھی کبھی تیل بھی لگایا کرتے تھے۔

انھوں نے اپنی سادہ زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ کسی قسم کا کام یا پیشہ ذلیل نہیں، بشرطیکہ راست بازی اور دیانت داری کو مدنظر رکھا جائے۔

مزاج میں انکساری غضب کی تھی۔ کوئی تعظیم کو کھڑا ہوتا تو اسے منع کر دیتے۔ خواہ کوئی غلام بھی کھانے کو بلاتا تو اس کے ہاں بلا تکلف چلے جاتے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ جب کسی مجمع میں جاتے تو سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو اس میں ہرگز دخل نہ دیتے تھے۔ اگر کچھ کہنا ضروری ہوتا تو بہت حلیمی اور عاجزی

سے کہتے۔ آپ کا دل دشمنی عداوت، انتقام، سخت گیری اور درشت کلامی کے ناپاک جذبات سے پاک تھا۔ ہمیشہ معافی اور درگزر کے لئے تیار رہتے تھے۔ جیسا کہ مکے کی فتح کے وقت بہت سے واقعات سے ظاہر ہوا۔ سچائی، دیانت داری اور الطاف ان کی فطرت کے جزو بن گئے تھے ہر وقت اپنے پیروؤں کو راست بازی کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ان کی فیاضی بے مثال تھی۔ حتی الامکان کسی کے سوال کو رد نہ کرتے تھے۔ خود تکلیف اٹھا کر اور بھوکا رہ کر دوسروں کے سوال کو پورا کرتے تھے۔ مال و دولت ہرگز جمع نہ کرتے تھے بلکہ جب تک مال تقسیم نہ کر دیتے ان کو چین نہ پڑتا تھا۔ غریب، یتیم اور محتاجوں کی امداد کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انھوں نے غلاموں کے حقوق آقاؤں پر قائم کئے۔ اور عورتوں اور بچوں کے حقوق مردوں پر قائم کئے۔

جب کسی کی بیماری کی خبر سن لیتے تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتے۔ جب کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے کے ساتھ جاتے۔ انسان کا تو ذکر کیا وہ بے زبان جانوروں پر بھی بہت ترس کھاتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے جانوروں کی لڑائی کو عرب کے ہر مقام پر بالکل بند کر دیا تھا۔ لاغر جانوروں کو دیکھتے تو کہا کرتے اے لوگو! بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ مہمان نواز اول درجے کے تھے۔ جب کوئی مہمان آ جاتا تو اپنا کھانا اس کو کھلا دیتے۔ آپ بہت شیریں زبان تھے، سب سے بہت نرمی اور ملائمت سے گفتگو کرتے تھے۔ آپ ہرگز کسی کو بد دعا نہیں دیتے تھے۔

خداوند تعالیٰ کی بخشش و رحمت پر ایسا زبردست اعتقاد رکھتے تھے کہ بڑی بڑی مصیبتوں میں حوصلہ نہ ہارتے تھے۔ اسی وجہ سے مٹھی بھر آدمیوں سے دشمنوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ کامیابی سے کرتے رہے۔ غار ثور میں جب جا کر ابو بکر رضؓ کے ساتھ چھپے تھے تو دشمنوں کی آہٹ سن کر ابو بکر رضؓ گھبرا گئے اور کہا کہ اے رسول اب ہم دو ہیں۔ زور سے کہا نہیں ہم تین ہیں۔ یعنی تیسرا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کیسا زبردست ایمان ہے۔

حضرتؐ کے چند واقعات

ہم ذیل میں حضرت صاحبؐ کے متعلق چند روایات درج کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو کیسی کیسی خوبیاں عطا کی تھیں۔

۱۔ ایک یہودی کا کسی مسلمان سے جھگڑا ہو گیا اور فیصلہ آں حضرت پر چھوڑا گیا۔ حضرت نے بے رو رعایت تحقیقات کی اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ اور مسلمانوں کی ناراضگی کی مطلق پروا نہ کی۔

۲۔ ایک شخص کو چوری کے الزام میں گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ کئی بڑے بڑے آدمیوں نے اس کی سفارش کی مگر آں حضرتؐ نے انصاف کو مد نظر رکھ کر سفارشوں کی مطلق پروا نہ کی۔ اور حکم دے دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے لئے یہی حکم دیتا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔

۳۔ ایک دفعہ ایک یہودی کا کچھ روپیہ حضرت کو دینا تھا۔ وہ یہودی تقاضا کرنے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا۔ حضرت عمر رضؓ کو اس پر بہت غصہ آیا مگر حضرت صاحبؐ نے فرمایا۔ اے عمر رضؓ یہ بات ٹھیک نہیں۔ تجھے چاہئے تھا کہ ہم دونوں کو نصیحت کرتا کہ قرض خواہ کو نرمی سے مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور مجھے نیکی سے روپیہ واپس کرنا چاہئے۔ حضرت نے یہودی

کو پاس بٹھایا اور اس کو قرضے سے کچھ زیادہ دے کر رخصت کیا۔ اس نیک سلوک کا یہودی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ ان کا مرید بن گیا۔

۴۔ ایک دفعہ آپ اپنے احباب کے ساتھ کہیں دور جنگل میں سیر کو گئے۔ جب کھانا بنانے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ غرض وہ کبھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ اور ہمیشہ خواہ کیسا ہی چھوٹا کام ہو کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

۵۔ ایک دفعہ ایک شخص کو کسی قصور کے عوض آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ آپ کو دیکھ کر کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ارے ڈرتا کیوں ہے۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک غریب قریش عورت کا لڑکا ہوں جو کئی دفعہ غریبی کی وجہ سے سوکھا گوشت کھا کر ہی گزارہ کر لیتی تھی۔

۶۔ ایک دفعہ کئی صحابی جنگ پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے گھر کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہ آتا تھا۔ آپ ہر روز ان کے گھر جا کر دودھ دوہ آیا کرتے تھے۔ اسی طرح غریب عورتیں ان کے پاس آکر مختلف کام بتلا دیتی تھیں۔ اور وہ اٹھ کر سب کے کام کر آتے تھے۔

۷۔ ایک دفعہ مدینے کے چند بدو ان کے ہاں مہمان ہو کر آئے۔ ایک بدو کو زیادہ کھانے کی وجہ سے رات کو بہت دست آگئے اور بستر خراب ہو گیا۔ وہ صبح ہی شرم کے مارے اٹھ کر چلا گیا۔ آپ نے اٹھ کر اس کی غلاظت کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔ لوگوں نے کہا ہمارے ہوتے ہوئے آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اپنے مہمان کی ہر ایک قسم کی خدمت کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔

۸۔ ایک دفعہ ایک رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ لاد کر آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت بلال رضؓ نے غلہ بیچ کر یہودیوں کا قرضہ ادا کیا۔ جب بلال رضؓ واپس آئے تو پوچھا کیا کچھ غلہ بچا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ابھی غلہ باقی ہے۔ تو فرمایا کہ جب تک باقی غلہ غریبوں میں تقسیم نہ ہو جائے میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس رات مسجد میں ہی قیام کیا۔ اور اگلے دن تمام غلہ تقسیم کرا کے گھر گئے۔

حضرت صاحب کی تعلیم

آپ نے مسلمانوں کے چار فرائض قائم کئے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکواۃ۔ پچھلے دو ان لوگوں کے لئے ضروری قرار دئے جنھیں روپیہ خرچ کرنے کی طاقت ہو۔

انھوں نے ایک خدا اور صرف ایک ہی خدا کی پرستش کی تعلیم دی۔ وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ سب انسان برابر ہیں اور ان کے حقوق بھی برابر ہیں۔

ایسے شخص کو جو بدی کی زندگی بسر کرتا ہے نماز بھی نہیں بچا سکتی۔ تمہارا چلن ہی ہے جس پر سزا اور جزا کا انحصار ہے۔

اے مسلمانو! تم دوسروں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ تب ہی تمہارا ایمان ٹھیک ہو سکتا ہے۔

کسی شخص کی ضرورت کو پورا کر دینا تمام عمر خدا کی عبادت کے برابر ہے۔

ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی خلقت کو آرام پہنچانا ہے۔

جو بڑوں کی تعظیم نہیں کرتا اور بچوں پر شفقت نہیں کرتا وہ میری امت میں نہیں ہے۔

جھگڑا کرنے والا انسان خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

جس نے اپنی زبان اور خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھا ہے میں اس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔

تمہارا ہمسایہ اگر تم سے امداد مانگے تو اس کی امداد کرو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر تم سے اسے کوئی کام پڑے تو پورا کرو۔ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرو۔ اور مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔ جب کوئی خوشی کا موقع ہو تو اسے مبارک باد دو۔ جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرو۔

کچھ پرواہ نہیں اگر دنیا کی اور چیزیں تیرے پاس نہ ہوں۔ مگر یہ چیزیں ضرور ہونی چاہئیں (۱) راست گفتاری (۲) دیانت داری (۳) خوش خلقی (۴) حلال کی کمائی۔

خادم کا قصور دن میں ستّر دفعہ معاف کرو۔

اللہ تعالےٰ تمہاری صورتوں اور دولت کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمہارے کاموں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔

ہر ایک نیک کام خیرات ہے۔ کسی کو نیک کام کی ہدایت کرنا بھی خیرات ہے۔ بھولے بھٹکے کو راستہ دکھانا۔ اندھے کی مدد کرنا۔ راستہ میں سے پتھر اور کانٹے اٹھا دینا۔ پیاسے کو پانی پلا دینا۔ یہ سب خیرات کے کام ہیں۔

اے مسلمانو! یاد رکھو۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی عزت کرنا لازمی ہے۔ پرائے مال پر نگاہ رکھنا حرام ہے۔ جو جیسا کرے گا۔ ویسا بھرے گا۔ عورتوں کے ساتھ ہمیشہ نیک برتاؤ کرنا۔ کسی کی حق تلفی نہ کرنا۔ اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ کرنا۔

خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اسی کے قبضے میں سب کچھ ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔

جو چیز اولاد کے لئے بازار سے لاؤ سب سے پہلے لڑکی کو دو۔

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا۔

ایسا اشارہ کرنا بھی حرام ہے جس سے دوسروں کو رنج پہنچے۔

نوٹ: یہ مضمون رائے صاحب شری لالہ رگھوناتھ سہائے بی اے کا لکھا ہوا ہے۔ وہ تقسیم سے پہلے انجمن اتحاد مذاہب (لاہور) کے صدر تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۰ میں پنجاب آرٹ پریس، بیرون موری دروازہ، لاہور سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کے ۱۸۲ صفحات تھے اور اس کا نام تھا: "روشن ستارے"۔ اس کتاب میں دس "نامور مذہبی بزرگوں کے حالات" درج تھے۔ اس کا ایک باب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ یہ باب مکمل طور پر یہاں نقل کیا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام

مسلم مورخین کے مطابق، محمدؐ ۲۰ ر اپریل ۵۷۱ کو عرب کے صحرا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نام کا مطلب ہے "بہت تعریف کیا ہوا"۔ میرے نزدیک وہ تمام فرزندانِ عرب میں سب سے زیادہ عالی دماغ انسان تھے۔ سرخ ریت کے اس ناقابل عبور صحرا میں جتنے شاعر اور بادشاہ ان سے پہلے یا ان کے بعد ہوئے، ان سب پر وہ بدرجہا زیادہ فوقیت رکھتے تھے۔ محمدؐ کا ظہور ہوا تو عرب ایک صحرا تھا، وہ کچھ بھی نہ تھا۔ خالی صحرا سے محمدؐ کی طاقت ور روح نے ایک نئی دنیا بنائی۔ نئی زندگی، نیا کلچر، نئی تہذیب اور نئی سلطنت پیدا کی جو مراکش سے انڈیز تک پھیلی ہوئی تھی اور جس نے تین براعظموں (ایشیا، افریقہ، یورپ) کے خیالات اور زندگی کو متاثر کیا۔

میری اس تحریر کا موضوع ایک ایسے مذہب کے اصولوں کی بابت لکھنا ہے جو کہ تاریخی ہے اور اس کا پیغمبر بھی ایک تاریخی شخصیت ہے۔ سر ولیم میور جیسا ایک معاند ناقد بھی قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے: "دنیا میں غالباً قرآن کے سوا کوئی دوسری کتاب نہیں ہے جس کا متن بارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس درجہ خالص صورت میں محفوظ ہو"۔ میں یہ بھی اضافہ کروں گا کہ حضرت محمدؐ ایک تاریخی شخصیت ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر واقعہ نہایت احتیاط سے منضبط کیا گیا ہے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کردی گئی ہیں۔ آپ کی زندگی اور آپ کا کام پُراسراریت کے پردہ میں چھپا ہوا نہیں ہے۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ ایک شخص صحیح معلومات کے لئے اس مشکل مہم کو سر کرے کہ وہ بھس کے ڈھیر میں سے چھان کر سچائی کے دانے نکالے۔

میرا کام اس لئے بھی ہلکا ہو چکا ہے کہ وہ زمانہ اب بہت تیزی سے رخصت ہو رہا ہے جب کہ کچھ ناقدین سیاسی اور غیر سیاسی وجوہ سے اسلام کو بہت بگاڑ کر پیش کرتے تھے۔ پروفیسر بیوان "کیمبرج میڈیول ہسٹری" میں لکھتے ہیں "محمدؐ اور اسلام کے بارے میں کتابیں جو یورپ میں ۱۹ویں صدی کے آغاز سے پہلے چھپتی تھیں آج ان کو محض قلمی عجوبے سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام اور تلوار کا نظریہ آج کہیں بھی قابل لحاظ نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام کا یہ اصول کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں، آج سب کو پوری طرح معلوم ہے۔ مشہور مورخ گبن نے لکھا ہے "مسلمانوں کی طرف ایک مجرمانہ اصول منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ ہر مذہب کو تلوار کے زور سے ختم کردیا جائے"۔ مگر گبن کہتا ہے کہ جہالت اور تعصب کا یہ الزام قرآن سے، مسلم فاتحین کی تاریخ سے نیز مسلم عوام کے رویہ سے غلط ثابت ہوتا ہے جو کہ ہمیشہ قانونی اور سماجی طور پر مسیحی عبادت کے ساتھ رواداری کا طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں۔ محمدؐ کی زندگی کی عظیم کامیابی صرف اخلاقی طاقت کے ذریعہ ہوئی، تلوار کی کسی مار کے بغیر۔

۲

قدیم زمانہ میں عربوں کا یہ حال تھا کہ اتنی معمولی سی بات پر وہ چالیس سال تک لڑتے رہے کہ ایک قبیلہ کا ایک اونٹ بھٹک کر دوسرے قبیلہ کی چراگاہ میں چلا گیا۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے ستر ہزار آدمی مارے گئے

اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ دونوں قبیلوں کی نسل ختم ہو جائے گی۔ ایسے جھگڑالو عربوں کو پیغمبر اسلام نے خود انضباطی اور تنظیم کی تعلیم یہاں تک دی کہ میدان جنگ میں بھی ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

صلح کے لئے آپ کا منصوبہ جب بار بار کوشش کے باوجود ناکام ہو گیا تو ایسے حالات پیدا ہوئے جو آپ کو کھینچ کر میدان جنگ میں لے آئے۔ آپ کا یہ اقدام محض دفاع کے لئے تھا۔ تاہم انھوں نے میدان جنگ کے پورے طریق عمل کو بالکل بدل دیا۔ ان کی پوری زندگی میں جو لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں مرنے والوں کی مجموعی تعداد، جب کہ پورا جزیرہ نمائے عرب ان کے جھنڈے کے نیچے آ گیا، چند سو سے زیادہ نہیں۔ انھوں نے عرب وحشیوں کو نماز پڑھنا سکھایا، محض انفرادی طور پر نہیں، بلکہ اجتماعی طور پر، حتیٰ کہ انھوں نے ہدایت کی کہ جنگ کے طوفان میں بھی اپنے خدا کے آگے سجدہ کرو۔ جب بھی عبادت کا وقت آ جائے، اور یہ روزانہ پانچ وقت آتا ہے، تو اجتماعی عبادت چھوڑی نہیں جا سکتی، حتیٰ کہ ملتوی بھی نہیں کی جا سکتی۔ لشکر کا ایک حصہ اگر دشمنوں سے مقابلہ میں مصروف رہے تو اس کا دوسرا حصہ اپنے خدا کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دے۔ جب ایک فریق اپنی عبادت ختم کرلے تو وہ مورچہ سنبھال لے اور دوسرا فریق آکر اپنی عبادت کرے۔

وحشت و بربریت کے زمانہ میں میدان جنگ تک پر انسانیت کا اصول جاری کیا گیا۔ سخت ہدایات جاری کی گئیں کہ خیانت نہ کی جائے۔ دھوکا نہ دیا جائے۔ عہد کو توڑا نہ جائے۔ ہاتھ پاؤں نہ کاٹے جائیں۔ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ جلایا جائے۔ عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے لوگوں پر زیادتی نہ کی جائے۔ پیغمبر کا خود اپنا طرز عمل اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ نمونہ کا طرزِ عمل تھا۔ مکہ کی فتح کے بعد ان کو پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا، وہ شہر جس نے آپ کا پیغام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ جس نے آپ کے اوپر اور آپ کے ساتھیوں کے اوپر شدید ظلم کئے تھے۔ جس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ اپنا وطن چھوڑ کر دو سو میل دور (مدینہ) چلے گئے، اس وقت بھی انھوں نے آپ کا بائیکاٹ کرنے اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج وہ شہر مکہ آپ کے قدموں کے نیچے تھا۔ جنگ کے مسلمہ قوانین کے مطابق وہ ان تمام مظالم کا بدلہ لے سکتے تھے جو آپ پر اور آپ کے لوگوں پر کئے گئے تھے۔ مگر آپ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ محمدؐ کا دل رحم اور محبت کے دودھ سے بھر گیا۔ آپ نے اعلان کیا:

آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں۔ آج تم سب آزاد ہو۔

یہ ان مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا کہ کیوں آپ نے دفاع میں جنگ کرنے کی اجازت دی — اس لئے تاکہ انسانوں کو متحد کیا جا سکے۔ اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپ کے بدترین دشمن تک معاف کر دیئے گئے۔ وہ لوگ جنھوں نے آپ کے محبوب چچا حمزہؓ کو قتل کیا تھا، ان کے مردہ جسم کا مثلہ کیا تھا وہ بھی آپ کی مہربانیوں سے محروم نہ رہے۔

عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا اصول جس کی آپ نے تبلیغ کی وہ انسانیت کی سماجی ترقی میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ تمام بڑے مذاہب نے اس قسم کے اصولوں کی تبلیغ کی ہے مگر پیغمبر اسلام نے اس نظریہ کو حقیقی عمل کی صورت

دے دی اور اس کی اہمیت شاید کچھ دنوں بعد پوری طرح سمجھی جا سکے جب کہ بین اقوامی شعور جاگے گا، نسلی تعصبات ختم ہو جائیں گے اور انسانی اخوت کا ایک طاقت ور نظریہ وجود میں آ جائے گا۔ سروجنی نائیڈو اسلام کے اس پہلو پر بولتی ہوئی کہتی ہیں: "وہ پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس کو عمل کی صورت دی۔ کیوں کہ مسجد میں جب اذانیں بلند ہوتی ہیں اور نمازی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں تو اسلام کی جمہوریت روزانہ پانچ بار مجسم ہوتی ہے جب کہ معمولی آدمی اور بادشاہ ایک صف میں شامل ہو کر جھکتے ہیں اور کہتے ہیں: "خدا سب سے بڑا ہے"۔ ہندوستان کی یہ مشہور شاعرہ مزید لکھتی ہے: "میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت کو دیکھ کر بار بار حیران ہوتی ہوں جو کہ آدمی کو طبعی طور پر بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ جب آپ ایک مصری، ایک الجیریائی، ایک ہندستانی یا ترکی سے لندن میں ملتے ہیں تو ان میں جو فرق ملے گا وہ صرف اتنا سا کہ ایک کی پیدائش مصر میں ہوئی اور دوسرے کی ہندستان میں"۔

مہاتما گاندھی اپنے ناقابل تقلید انداز میں لکھتے ہیں "کسی نے کہا ہے کہ جنوبی افریقہ کے لوگ اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں —— وہ اسلام جس نے اسپین کو مہذب بنایا، وہ اسلام جو روشنی کی شمع کو مراکش تک لے گیا اور دنیا کو اخوت کا مقدس پیغام دیا۔ جنوبی افریقہ کے یورپی لوگ اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں کیوں کہ اسلام آئے گا تو وہ کالوں اور گوروں میں برابری کا اعلان کرے گا۔ ان کو اس سے ڈرنا ہی چاہیے۔ اگر اخوت ایک گناہ ہے، اگر مختلف نسلوں میں برابری وہ چیز ہے جس سے وہ ڈرتے ہیں تب ان کا ڈر بالکل بجا ہے"۔

ہر سال حج کے موسم میں دنیا اسلام کے اس حیرت ناک بین اقوامی مظاہرہ کو دیکھتی ہے جو کہ نسل، رنگ اور رتبہ کے تمام فرق کو برابر کر دیتا ہے۔ نہ صرف یورپی، افریقی، ایرانی، ہندستانی، چینی سب کے سب ایک خدائی خاندان کے ممبر کی حیثیت سے مکہ میں ملتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک قسم کے لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر آدمی معمولی سفید بغیر سلے ہوئے کپڑے کے دو ٹکڑے لپیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک ٹکڑا کمر کے گرد اور دوسرا ٹکڑا کندھے کے اوپر۔ اسی کے ساتھ ننگے سر، بغیر کسی رسم اور کسی دھوم دھام کے اور یہ آواز لگاتے ہوئے "میں حاضر ہوں، خدایا میں حاضر ہوں، تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ حکم صرف تیرا ہی ہے"۔ اس طرح یہاں ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو چھوٹے اور بڑے کے درمیان فرق کرے اور ہر حاجی یہ احساس لے کر گھر واپس آتا ہے کہ اسلام ایک بین اقوامی اہمیت رکھنے والا دین ہے۔

پروفیسر ہرگرونجی کے الفاظ میں "اقوام کی جمعیت جو پیغمبر اسلام نے بنائی، اس نے بین اقوامی اتحاد اور انسانی اخوت کے اصول کو ایسی عالمی سطح پر قائم کیا ہے جو دوسری قوموں کو روشنی دکھانے والا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی دوسری قوم اتحاد اقوام کے لئے اس کے برابر کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

پیغمبر اسلام نے جمہوری حکومت کو اس کی بہترین صورت میں قائم کیا۔ خلیفہ عمرؓ، خلیفہ علی رضؓ، جو پیغمبر کے داماد بھی تھے، خلیفہ منصور عباسی جو خلیفہ مامون کے بیٹے تھے اور دوسرے بہت سے خلفاء اور سلاطین اسلامی عدالتوں میں معمولی آدمی کی طرح حاضر ہوئے۔ آج بھی ہم سب جانتے ہیں کہ کالے نیگروؤں کے ساتھ مہذب سفید نسلوں کا سلوک کیا ہوتا ہے۔ اب بلالؓ کی بابت غور کرو جو چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام کے زمانے میں ایک نیگرو غلام تھے۔ نماز کے

لئے اذان دینے کا کام ابتدائی اسلام کے زمانے میں ایک عزت کا کام سمجھا جاتا تھا اور یہ باعزت کام اس نیگرو غلام کے سپرد کیا گیا تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد، پیغمبر نے ان کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لئے اذان دیں۔ اور یہ نیگرو غلام، اپنے کالے رنگ اور اپنے موٹے ہونٹوں کے ساتھ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا، جو کہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ تاریخی اور سب سے زیادہ مقدس جگہ ہے۔ اس وقت کچھ مغرور عرب تکلیف کے ساتھ بولے: "اُف، یہ کالا حبشی غلام، برا ہو اس کا۔ وہ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا ہے اذان دینے کے لئے۔"

غرور اور تعصب کا یہ مزاج پیغمبر اسلام ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں کہا: ساری حمد اور شکر اللہ کے لئے ہے جس نے ہم کو جاہلیت کے زمانہ کے فخر اور بڑائی سے نجات بخشی۔ اے لوگو، یاد رکھو، تمام انسان صرف دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں، متقی اور اللہ سے ڈرنے والے جو اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ دوسرے گنہ گار اور سخت دل جو اللہ کے نزدیک حقیر اور بے قیمت ہیں۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔" یہی بات قرآن میں اس طرح کہی گئی ہے: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تمہارا سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پوری طرح خبردار ہے (حجرات)

پیغمبر اسلام نے اس طرح اتنی زبردست تبدیلی پیدا کی کہ وہ لوگ جو خالص عرب تھے اور اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے اپنی لڑکیاں اس نیگرو غلام کے لئے شادی میں پیش کیں۔ اسلام کے دوسرے خلیفہ جو عمر فاروق کے نام سے مشہور ہیں، جب وہ اس نیگرو غلام کو دیکھتے تو وہ فوراً ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان الفاظ کے ساتھ ان کا استقبال کرتے: "یہ ہمارے معلم آگئے، یہ ہمارے سردار آگئے۔" قرآن اور محمدؐ کے ذریعہ کیسا حیرت ناک انقلاب تھا جو عربوں کے درمیان آیا، وہ عرب جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ مغرور قوم کی حیثیت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ عظیم ترین جرمن شاعر گوئٹے نے قرآن پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: "یہ کتاب تمام زمانوں میں سب سے زیادہ مؤثر کتاب کی حیثیت سے باقی رہے گی۔" اور یہی وجہ ہے کہ برنارڈ شا کو یہ کہنا پڑا "اگر کوئی مذہب ہے جو انگلینڈ، نہیں بلکہ یورپ پر اگلے.. اسال کے اندر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اسلام ہے۔"

اسلام کی یہی جمہوری اسپرٹ ہے جس نے عورت کو مرد کی غلامی سے نکالا ـــــ سر چارلس ایڈورڈ آرچیبالڈ ہملٹن نے کہا ہے: "اسلام بتاتا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں، دونوں کے اندر ایک ہی روح ہے اور دونوں ذہنی، روحانی اور اخلاقی ترقی کی یکساں قابلیت رکھتے ہیں۔" عربوں کے یہاں یہ زبردست روایت چلی آرہی تھی کہ وراثت کا حق دار وہی ہے جو برچھا چلاتا ہے اور تلوار کے قبضہ کو پکڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اسلام صنف نازک کا حمایتی بن کر ظاہر ہوا اور عورتوں کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے سرپرستوں کی وراثت میں حصہ دار بن سکتی ہیں۔ اسلام بہت پہلے عورت کو یہ حق دے چکا تھا کہ وہ جائداد کی مالک بن سکتی ہیں۔ اس کے بارہ صدیوں بعد ایسا ہو سکا کہ ۱۸۸۱ میں انگلستان نے، جو کہ جمہوریت کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، اسلام کی اس تعلیم کو

اختیار کیا اور وہاں ایک قانون پاس ہوا جس کا نام تھا شادی شدہ عورتوں کا قانون (دی میرڈ ویمنز ایکٹ) مگر صدیوں پہلے پیغمبر اسلام یہ اعلان کر چکے تھے کہ "عورتیں مرد کا نصف ثانی ہیں۔ عورتوں کا حق ہر حال میں محترم ہے"۔ "نگرانی رکھو کہ عورتوں کو وہ حق ملتا رہے جو ان کو دیا گیا ہے"۔

۳

اسلام براہ راست طور پر سیاسی اور اقتصادی نظام سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر بالواسطہ طور پر اور، جہاں تک سیاسی اور اقتصادی معاملات انسان کے طور طریقے اور اخلاقیات کو متاثر کرتے ہیں، وہ اقتصادی زندگی کے لئے کچھ نہایت اہم اصول مقرر کرتا ہے۔ پروفیسر میسی نن کے مطابق، اسلام مبالغہ آمیز انتہاؤں کے درمیان توازن کو برقرار رکھتا ہے اور ہمیشہ کردار کی تعمیر پر زور دیتا ہے جو کہ تہذیب کی بنیاد ہے۔ اس کی ضمانت چند بنیادی احکام کے ذریعہ کی گئی ہے ـــــ اس کا وراثت کا قانون، زکوٰۃ کا نظم اور لازمی نظام، اقتصادی میدان میں تمام سماج دشمن طریقوں کو غیر قانونی قرار دینا جیسے اجارہ داری، سود، پیشگی طور پر طے کی ہوئی اور بغیر کمائی ہوئی آمدنیاں، بازار کا سب سامان خرید لینا، ذخیرہ اندوزی، کسی چیز کی مصنوعی قلت پیدا کرنا تاکہ قیمتوں میں اضافہ ہو۔ اسی طرح جوا غیر قانونی ہے۔ اس کے برعکس تعلیم گاہوں، عبادت خانوں، اسپتالوں، کنووں، یتیم خانوں کو امداد دینا بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی بار ایسا ہوا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کے تحت یتیم خانے قائم ہوئے۔ دنیا اپنے یتیم خانوں کے لئے اسی پیغمبر اسلام کی احسان مند ہے جو خود بھی ایک یتیم تھے۔ کارلائل نے محمدؐ کے بارے میں لکھا ہے: "یہ تمام خوبیاں، انسانیت کی فطری آواز، پارسائی اور مساوات، فطرت کے اس صحرائی فرزند کے دل میں جاگزیں ہونے کی وجہ سے، آشکارا تھیں"۔

ایک مورخ نے کہا ہے کہ کسی عظیم انسان کا امتحان تین باتوں کی روشنی میں لینا چاہئے۔ کیا وہ اپنے معاصرین کی رائے میں حقیقی طور سے اونچے اخلاق کا حامل تھا؟ کیا وہ واقعتہً اتنا عظیم تھا کہ اپنے زمانہ کے معیاروں سے بھی بلند ہو گیا ہو؟ کیا اس نے اپنے بعد آنے والی دنیا کے لئے کوئی مستقل میراث چھوڑی؟ اس فہرست کو مزید بڑھایا جا سکتا ہے، لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ پیغمبر محمدؐ عظمت کے اس معیار پر اعلیٰ ترین درجہ میں پورے اترتے ہیں۔ آخری دو باتوں کے بارے میں پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا پیغمبر اسلام کو ان کے معاصرین نے حقیقتہً اونچے اخلاق کا حامل پایا۔ تاریخی دستاویزیں بتاتی ہیں کہ محمد کے تمام معاصرین، دوست ہوں یا دشمن، سبھی نے ان کی پاک خوبیوں، بے داغ امانت داری، عظیم اچھائیوں، زندگی کے تمام شعبوں میں کامل اخلاص اور امانت کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہودی، اور وہ لوگ بھی جو کہ آپ کے پیغام کو نہ مانتے تھے، وہ بھی اپنے ذاتی اختلافات کے سلسلے میں آپ کی انتہائی غیر جانب داری کی وجہ سے آپ کو ثالث مانتے تھے۔ یہاں تک کہ جو آپ کے پیغام کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور تھے: "اے محمدؐ ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے، بلکہ جس نے آپ کو کتاب اور پیغام دیا ہے اس کا انکار کرتے ہیں"۔ ان کا خیال تھا کہ آپؐ

پر کسی چیز کا سایہ ہے۔ انھوں نے آپ کے علاج کے لئے تشدد کو بھی اپنایا۔ لیکن ان میں جو عمدہ ترین لوگ تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک نیا نور آپ پر نازل ہوا ہے اور انھوں نے اس نور کو پانے کے لئے پیش قدمی کی۔ پیغمبر اسلام کی تاریخ کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ آپؐ کے قابل ترین رشتہ دار، چچازاد بھائی، آپؐ کو قریب سے جاننے والے عزیز دوست، سب پر آپ کے پیغام کا گہرا اثر ہوا اور سب آپ کے خدائی الہام کی صداقت سے متاثر ہوئے۔ اگر یہ شریف ذی عقل، صاحب علم اور آپ کی ذاتی زندگی کو قریب سے جاننے والے مرد اور عورت آپ کے اندر ذرہ برابر بھی حیلہ سازی، دھوکہ، دنیا داری یا ایمان کی کمی پاتے تو اخلاقی زندگی، روحانی بیداری اور اجتماعی اصلاح کے بارے میں محمدؐ کا منصوبہ ناکام ہوگیا ہوتا اور ساری عمارت چند لمحوں میں ٹوٹ کر زمین پر آرہتی۔ اس کے برعکس ہم پاتے ہیں کہ آپ کے ماننے والے آپ پر اتنا زیادہ فدا تھے کہ خود اختیاری طور پر انھوں نے آپ کو اپنی زندگی کا قائد مان لیا تھا۔ انھوں نے آپ کی خاطر ظلم اور بھوک کا مقابلہ کیا۔ شدید ترین تشدد اور قبلیہ سے اخراج کی وجہ سے انتہائی ذہنی کرب کے باوجود آپ کے لئے ان لوگوں کا ایمان، بھروسہ، اطاعت اور تعظیم برقرار رہی۔ اگر انھوں نے اپنے لیڈر میں ذرا سی بھی خامی دیکھی ہوتی تو کیا ایسا ہو سکتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی مومنین کی تاریخ پڑھئے تو بے گناہ مردوں اور عورتوں پر ہونے والے ظلم سے ہر دل پگھل اٹھے گا۔ معصوم عورت سمیہ کو نیزے مار مار کر ٹکڑے کر دیا گیا۔ خباب بن ارت کو جلتے ہوئے کوئلے پر لیٹنے پر مجبور کیا گیا۔ اور وہ بھی اس حال میں کہ بے رحم ظالم اپنا پیر ان کے سینے پر رکھے ہوئے تھا، تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں جس کی وجہ سے ان کی جلد کے اندر کی چربی پگھل گئی۔ خباب بن عدی کو ظالمانہ طور سے جسم کے ایک حصہ کو کاٹ کر اور ان کا زندہ گوشت تراش کر ہلاک کیا گیا اور جب اس ظلم کے درمیان ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ یہ تمنا نہیں کرتے کہ خود محمدؐ ان کی جگہ ہوتے جو کہ اس وقت اپنے گھر میں اپنے خاندان کے ساتھ تھے۔ اس حالت میں بھی مظلوم نے چیخ کر کہا کہ اگر محمدؐ کو کانٹا بھی چبھے تو وہ خود کو اور اپنے پورے خاندان کو قربان کر دیں گے تاکہ آپ کو کانٹے کی تکلیف نہ ہو۔ اس قسم کے درجنوں دل سوز واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات کیا ظاہر کرتے ہیں؟ ایسا کیوں ہوا کہ اسلام کے ان مرد عورت جاں نثاروں نے نہ صرف اپنا ایمان محمدؐ کے حوالے کر دیا، بلکہ انھوں نے اپنے جسموں، دلوں اور روحوں کو بھی آپ پر نچھاور کر دیا۔ کیا محمدؐ کے قریب ترین معتقدین کا یہ مضبوط ایمان و یقین اس بات کی اعلیٰ ترین گواہی نہیں ہے کہ آپ اپنے پیغام کے بارے میں مخلص تھے اور اپنے کام میں انتہائی حد تک خود کو کھپائے ہوئے تھے۔

اور یہ لوگ معمولی حیثیت یا کمتر ذہنی سطح کے لوگ نہیں تھے۔ بالکل ابتدائی دور سے ہی، آپ کے گرد مکہ کا مکھن جمع ہوگیا تھا۔ یہ شریف ترین لوگ تھے جو کہ منصب، جاہ، ثروت اور ثقافت کے مالک تھے۔ ان میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے جو کہ آپ کی زندگی کے داخلی اور خارجی پہلوؤں سے خوب واقف تھے۔ اور آپ کے بعد اسلام کے پہلے چار خلیفہ بھی اسی ابتدائی زمانہ کے مومنین میں سے تھے جنھوں نے عظیم ذمہ داریاں اٹھائیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا کہنا ہے کہ "محمدؐ تمام نبیوں اور دینی شخصیات میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں"۔ لیکن یہ کامیابی کسی اتفاقی واقعہ کی

مرہونِ منت نہیں ہے۔ یہ کوئی غیر متوقع واقعہ نہیں تھا۔ یہ کامیابی صرف اس لئے ہو سکی کہ معاصرین نے پیغمبر کو حقیقی اخلاق اور عالی ظرفی کا حامل پایا۔ یہ کامیابی آپ کی قابلِ تعریف اور پوری طرح چھا جانے والی شخصیت کا نتیجہ تھی۔

— ۴ —

محمدؐ کی شخصیت کے بارے میں مکمل صداقت کو جاننا بہت ہی مشکل ہے۔ میں تو صرف اس کی بعض جھلکیوں کو پا سکتا ہوں۔ کتنے خوبصورت مناظر یکے بعد دیگرے ڈرامائی طور پر سامنے آتے رہتے ہیں — محمدؐ پیغمبر، محمدؐ جنرل، محمدؐ حکمراں، محمدؐ غازی، محمدؐ تاجر، محمدؐ مبلغ، محمدؐ فلسفی، محمدؐ سیاست داں، محمدؐ خطیب، محمدؐ مصلح، محمدؐ یتیموں کا ملجا، غلامی کا حامی، محمدؐ جج، محمدؐ پیشوا۔ ان تمام خوبصورت ادوار میں، انسانی اعمال کے ان تمام دائروں میں آپؐ ایک ہیرو معلوم ہوتے ہیں۔

یتیمی کی حالت بے چارگی کی آخری انتہا ہے اور اس دنیا میں آپ کی زندگی اسی انتہا سے شروع ہوئی — حکمرانی مادی طاقت کی انتہا ہے، اور اس دنیا میں آپ کی زندگی اسی پر ختم ہوئی۔

ایک یتیم بچے اور مظلوم مہاجر سے ابتدا کر کے آپ ایک پوری قوم کے روحانی اور مادی حاکم اعلیٰ اور اس کی تقدیر کے مالک بن گئے۔ اس عمل کے دوران پیش آنے والے امتحانات و ترغیبات، مشکلات و تغیرات، روشنیاں اور سائے، اونچ نیچ، دہشت اور عظمت کے دوران وہ دنیا کے امتحان میں کامیاب ہو کر زندگی کے ہر میدان میں ایک نمونہ بن کر ظاہر ہوئے۔ ان کی کامیابیاں زندگی کے کسی ایک میدان سے متعلق نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام احوال پر حاوی ہیں۔

مثال کے طور پر عظمت اگر یہ ہے کہ بربریت اور مکمل اخلاقی تاریکی میں پڑی ہوئی قوم کو پاک کیا جائے تو جس نے اس پوری قوم کی کایا پلٹ دی، اس گری ہوئی قوم کو اتنا اونچا اٹھا دیا کہ وہ تہذیب و معرفت کی روشنی کی حامل بن گئی، اس عظیم شخصیت کو عظمت کا دعویٰ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر عظمت یہ ہے کہ کسی سوسائٹی کے متنفر عناصر کو آپس میں بھائی چارگی اور خیر خواہی کے روابط میں جوڑ دیا جائے تو صحرا میں ہونے والے نبی کو عظمت کے امتیاز کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر عظمت ذلیل کن توہمات اور ہر قسم کی مہلک عادتوں میں مبتلا قوم کی اصلاح کرنا ہے، تو پیغمبر اسلام نے لاکھوں آدمیوں کے دل سے توہمات اور غیر معقول خوف کو نکال باہر کیا۔ اگر عظمت بلند اخلاق کا مظاہرہ ہے، تو محمدؐ کے دوستوں، دشمنوں سبھی نے ان کو "الامین" اور "الصادق" کا لقب دیا تھا۔ اگر فاتح عظیم ہوتا ہے، تو محمدؐ بھی ایک مجبور یتیم اور عام انسان کی زندگی سے بلند ہو کر جزیرہ عرب کے حاکم بن گئے جو کہ خسرو اور قیصر کا ہم پلہ منصب تھا۔ محمدؐ وہ تھے جنھوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کی جو کہ ان گزری ہوئی چودہ صدیوں میں بھی برقرار ہے۔ اگر لیڈر کے لئے اس کے تابعین کا احترام اس کی عظمت کا معیار ہے تو پیغمبر کا نام آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں لوگوں کے لئے جادو کی حیثیت رکھتا ہے۔

انھوں نے ایتھنز، روم، فارس، ہندوستان یا چین میں فلسفہ کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ لیکن انھوں

The Rarest Phenomenon on the Earth

Unlettered himself, he could yet speak with an eloquence and fervour which moved men to tears of ecstasy. Born an orphan and blessed with no worldly goods, he was loved by all. He had studied at no military academy; yet he could organise his forces against tremendous odds and gained victories through the moral forces which he marshalled. Gifted men with a genius for preaching are rare. Descartes included the perfect preacher among the rarest kind in the world. Hitler in his *Mein Kampf* has expressed a similar view. He says: "A great theorist is seldom a great leader. An agitator is far more likely to possess these qualities. He will always be a better leader. For, leadership means ability to move masses of men. The talent to produce ideas has nothing in common with capacity for leadership". But, he says: "the union of the theorist, organiser, and leader in one man is the rarest phenomenon on this earth; therein consists greatness." In the person of the Prophet of Islam the world has seen this rarest phenomenon on the earth, walking in flesh and blood.

And more wonderful still is what the Reverened Bosworth Smith remarks: "Head of the State as well as the Church, he was Caesar and Pope in one; but, he was Pope without the Pope's claims, and Caesar without the legions of Caesar, without a standing army, without a bodyguard, without a palace, without a fixed revenue. If ever any man had the right to say that he ruled by a right divine, it was Muhammad, for he had all power without its instruments and without its supports. He cared not for the dressings of power. The simplicity of his private life was in keeping with his public life."

نے انسانیت کو لافانی حیثیت کے حامل عظیم ترین حقائق سے باخبر کیا۔ محمدؐ خود تو ان پڑھ تھے، لیکن وہ اتنی فصاحت اور جوش سے بولتے تھے کہ لوگ بے اختیار رو پڑتے تھے۔ اگرچہ محمدؐ یتیم اور دنیا کی دولتوں سے محروم پیدا ہوئے تھے، لیکن پھر بھی سب ان سے محبت کرتے تھے۔ انھوں نے کسی فوجی کالج میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی، لیکن پھر بھی بڑی بڑی مشکلات پر قابو پاکر انھوں نے اپنی فوجوں کو منظم کیا اور اپنی ماہرانہ اخلاقی قوتوں کے بل پر جنگیں جیت لیں۔

خوبیوں سے بھرپور ایسے لوگ بہت نادر ہیں جن میں دوسروں کو بھی دعوت دینے کا ملکہ ہو۔ دیکارٹ نے کہا ہے کہ مکمل داعی دنیا کی سب سے نادر مخلوقات میں سے ایک ہے۔ ہٹلر نے بھی اپنی سوانح عمری "میری جدوجہد" میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے: ایک عظیم نظریہ ساز شاذ و نادر ہی ایک عظیم قائد ہوتا ہے۔ احتجاجی لیڈر ان خوبیوں کا اور بھی کم حامل ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایسا آدمی بہتر لیڈر ہو کیوں کہ قیادت کے لئے عوام کو حرکت میں لانے کی خصوصیت ضروری ہے۔ افکار پیدا کرنے کی صلاحیت، قائدانہ صلاحیت کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں رکھتی۔ پیغمبر اسلام کی ذات میں دنیا نے اس نادر ترین مظہر کو بھی حقیقی وجود کی صورت میں دیکھ لیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات وہ ہے جس کا اظہار پروفیسر باسورتھ اسمتھ نے کیا ہے: "وہ ریاست اور چرچ (دینی تنظیم) دونوں کے سربراہ تھے، وہ ایک ساتھ پوپ اور قیصر دونوں تھے۔ لیکن وہ ایسے پوپ تھے، جو پوپ کے دعووں سے خالی تھا۔ وہ ایسے قیصر تھے جو قیصر کی فوجوں کے بغیر تھا۔ نہ ان کے پاس ہر وقت تیار کھڑی رہنے والی فوج تھی، نہ ذاتی حفاظتی کارکن نہ ہی محل، نہ ہی کوئی مقررہ ٹیکس کی آمدنی۔ اگر کسی کو کبھی یہ دعویٰ کرنے کا حق ہو کہ اس نے خدائی حق کے ذریعہ حکومت کی ہے، تو وہ محمدؐ ہی ہوں گے، کیوں کہ ان کے پاس تمام اختیارات تھے، لیکن ان تمام ذرائع و وسائل کے بغیر جن سے وہ اختیارات حاصل کئے جاتے ہیں اور باقی رکھے جاتے ہیں۔ انھوں نے طاقت کے نمائش اور رکھ رکھاؤ کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ان کی نجی زندگی کی سادگی ویسی ہی تھی جیسی ان کی عام زندگی۔"

مکہ فتح ہونے کے بعد ایک ملین مربع میل سے زیادہ زمین ان کے قدموں کے نیچے آگئی۔ پورے جزیرۂ عرب کا حکمراں ہونے کے باوجود وہ اپنے جوتے اور کھردرے اونی کپڑے خود ٹھیک کرتے تھے۔ بکریوں کو دوہتے تھے۔ زمین کو جھاڑو دیتے تھے۔ آگ جلاتے تھے اور خاندان کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے تھے۔ مدینہ کا پورا شہر، جہاں آپ رہتے تھے، آپ کے آخری دنوں میں بہت مال دار ہوگیا تھا۔ ہر جگہ وہاں سیم وزر کی فراوانی تھی۔ لیکن خوش حالی کے ان دنوں میں بھی کئی کئی ہفتے اس طرح گزرتے تھے کہ جزیرۂ عرب کے حکمراں کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان کا سارا کھانا ان دنوں میں پانی اور کھجور ہوتی تھی۔ پورا خاندان بہت سی راتوں کو بھوکا سوتا تھا کیوں کہ شام کو انھیں کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوسکا تھا۔ ایک لمبے مشغول دن کے بعد وہ کسی نرم بستر پر نہیں سوتے تھے، بلکہ کھجور کے پتے کی بنی ہوئی چٹائی پر۔ راتوں کو وہ اکثر رو روکر اپنے خالق سے دعا کرتے تھے کہ انھیں اپنے مشن کو پورا کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی آواز رونے کی وجہ سے ایسی ہوجاتی تھی جیسے کہ کوئی پتیلی آگ پر ہو اور اس کا ابلنا شروع ہوگیا ہو۔ ان کی موت کے دن ان کا سارا اثاثہ چند سکے تھے، جس کا کچھ حصہ قرضہ ادا کرنے کے لئے دے دیا گیا اور باقی ایک غریب کو دے دیا گیا جو ان کے گھر خیرات مانگنے آیا تھا۔ جس کپڑے

ہیں ان کی زندگی تمام ہوئی اس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ گھر، جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیلی، تاریک تھا کیوں کہ اس کے پاس دیا جلانے کے لئے تیل نہیں تھا۔ حالات بدل گئے، لیکن اللہ کے پیغمبر نہیں بدلے۔ جیت میں اور ہار میں، حکمرانی میں یا بدحالی میں، فراوانی میں یا محتاجی میں وہ ایک ہی آدمی تھے۔ ہر حال میں ان کا سلوک ایک ہی تھا۔ جس طرح اللہ پاک کے طریقے اور قوانین ایک ہیں اسی طرح سے اللہ کے انبیاء بھی بدلنے والے نہیں ہوتے۔

۵

ایک ضرب المثل میں کہا گیا ہے کہ امانت دار آدمی اللہ کی بہترین مخلوق ہے۔ محمدؐ امانت دار سے بھی کچھ زیادہ تھے ان کے پور پور میں انسانیت رچی بسی ہوئی تھی۔ انسانی ہمدردی، انسان دوستی ان کی روح کی موسیقی تھی۔ ان کا مشن ہی یہ تھا کہ انسان کی خدمت کی جائے۔ انسان کو بلند کیا جائے، پاک کیا جائے، تعلیم دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو انسان بنایا جائے۔ یہی ان کی زندگی کا سارا مدعا تھا۔ ان کے خیالات، الفاظ اور اعمال سب کا مقصد انسانیت کی بہتری تھی۔

دکھاوا ان میں بالکل نہیں تھا اور وہ انتہائی حد تک بے غرض تھے۔ انھوں نے اپنے لئے کون سے ٹائیٹل چنے ؟ صرف دو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ پہلے بندہ پھر رسول۔ وہ اسی طرح پیغمبر تھے، جس طرح دوسرے بہت سے پیغمبر تھے جو دنیا کے مختلف حصوں میں آچکے ہیں، جن میں بعضوں کو ہم جانتے تھے اور بعض دوسرے ہمارے لئے نامعلوم ہیں۔ اگر کوئی ان حقائق پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ مسلم نہیں باقی رہتا۔ اس بات پر ایمان ہر مسلم کے عقیدہ کا جزء ہے۔ ایک یوروپین مؤلف نے لکھا ہے: "ان کے زمانے کے حالات اور ان کے پیروؤں کا آپ پر انتہائی حد تک اعتقاد کو دیکھتے ہوئے سب سے بڑی معجزانہ بات یہ ہے کہ محمدؐ نے کبھی معجزات پر قادر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔" محمدؐ سے معجزے بھی ہوئے، لیکن ان کا مقصد اپنے دین کا پروپیگنڈہ کرنا نہ تھا بلکہ انھوں نے ان معجزات کو صرف اللہ سے اور اللہ کے فہم و ادراک سے بالا طریقۂ کار سے منسوب کیا۔ وہ صاف کہتے تھے کہ دوسروں کی طرح وہ بھی ایک عام آدمی ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خزانوں کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتے تھے، نہ ہی وہ غیب کو جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ سب اس وقت ہوا جب معجزات کو عام بات سمجھا جاتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی بھی مقدس شخص چٹکیوں میں معجزات لا سکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جزیرۂ عرب کے اندر اور باہر ہر جگہ مافوق الفطرت عقائد کی حکمرانی تھی۔ انھوں نے اپنے پیروؤں کی توجہ فطرت اور فطری قوانین پر غور کرنے کے لئے دلائی، تاکہ وہ اللہ کی عظمت کو صحیح طرح سے سمجھ سکیں۔ قرآن کا کہنا ہے: آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (دخان ۳۹-۳۸)

دنیا کوئی واہمہ نہیں ہے، نہ ہی دنیا بلا مقصد پیدا کی گئی ہے۔ دنیا برحق پیدا کی گئی ہے۔ قرآن کی وہ آیات جو فطرت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتی ہیں وہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کے بارے میں حکم دینے والی آیات کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ قرآن کے اثر کے تحت مسلمانوں نے فطرت کا عمیق مطالعہ شروع کیا، اور اسی وجہ سے سائنسی مطالعہ اور تجربہ کا وہ مزاج پیدا ہوا جو کہ یونانیوں کے یہاں معدوم تھا۔ جبکہ مسلم ماہر نباتات ابن بیطار نے (علم نباتات) پر ساری دنیا کے پودے جمع کر کے ایک ایسی کتاب لکھی جس کو مئیر (Mayer) نے اپنی کتاب (Gesch der Botanika) میں "محنت کا مینار" بتایا ہے،

جب کہ البیرونی نے چالیس سال تک سفر کر کے معدنیات کے نمونے حاصل کئے، جبکہ مسلم علمائے فلکیات بارہ بارہ سال سے زیادہ کے مطالعہ کو مدوّن کر رہے تھے، ارسطو نے فزکس پر بغیر ایک بھی تجربہ کئے ہوئے قلم اٹھایا، طبعی تاریخ پر اس نے اتنی لاپرواہی سے لکھا کہ اس نے اس بات کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ "انسان کے دانت جانور سے زیادہ ہوتے ہیں" کا دعویٰ کرنے سے پہلے اس کی تصدیق بھی کر لیتا جو کہ کتنا آسان کام تھا۔ جالینوس نے، جس کو قدیم علم تشریح کا سب سے بڑا استاد سمجھا جاتا ہے، لکھا ہے کہ نچلا جبڑا دو ہڈیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس بات کو صدیوں تک تسلیم کیا جاتا رہا یہاں تک کہ عبد اللطیف نے انسانی ڈھانچہ کا مطالعہ کیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کرنے کے بعد روبرٹ بریفالٹ نے (The Making of History) میں لکھا ہے: "ہماری سائنس عربوں کی صرف اس حد تک مقروض نہیں ہے کہ انھوں نے حیرت انگیز دریافتیں کیں یا انقلابی نظریات کی بنیاد ڈالی۔ ہماری سائنس عرب تہذیب کی اس سے کہیں زیادہ مقروض ہے: وہ خود اپنے وجود کے لئے عرب تہذیب کی مقروض ہے"۔ اسی مؤلف نے مزید لکھا ہے: "یونانیوں نے نظاموں کی بنیاد رکھی، عمومیات کا رواج دیا اور نظریات بنائے، لیکن تلاش کے صبر آزما طریقے، ایجابی معلومات کا جمع ہونا، سائنس کے دقیق طریقے، مفصل اور طویل تجربات، تجرباتی مطالعہ۔ یہ سب چیزیں یونانی مزاج کے لئے اجنبی تھیں۔ جس چیز کو ہم یورپ میں سائنس کہتے ہیں، وہ تلاش کے نئے طریقوں، تجربات، مطالعہ، وزن کرنے اور ریاضیات کی ترقی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے اور یہ طور وطریقے یونانیوں کو معلوم نہ تھے۔ ... عربوں نے اس مزاج اور طور طریقوں کو یورپ میں روشناس کرایا۔"

پیغمبر محمدؐ کی تعلیمات کی عملی نوعیت نے ہی سائنسی اسپرٹ کو جنم دیا۔ ان کی تعلیمات نے روزمرہ کی محنت اور دنیاوی امور کو احترام و تقدس عطا کیا۔ قرآن کا کہنا ہے کہ اللہ نے انسان کو عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہاں عبادت کا اپنا خاص مفہوم ہے۔ اسلام میں اللہ کی عبادت صرف نماز تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر وہ کام جو اللہ کی خوشنودی اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کیا جائے وہ بھی عبادت ہی کا جزء ہے۔ زندگی کے تمام معاملات اسلام کی نظر میں تقدس کے حامل ہیں بشرطیکہ ان کو امانت داری، انصاف اور خالص نیت سے کیا جائے۔ اسلام نے "دینی" اور "غیر دینی" معاملات کی حدبندی کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن کا کہنا ہے کہ اگر تم پاک وطاہر غذا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو تو یہ بھی ایک عبادت ہے۔ پیغمبر اسلام کا کہنا ہے کہ اپنی بیوی کے منھ میں لقمہ رکھنا بھی ایک نیکی ہے جس کا بدلہ اللہ عطا کریں گے۔ پیغمبر کے ایک قول میں آیا ہے کہ "اگر کوئی اپنی دل کی خواہش کو بھی پورا کرے تو اللہ پاک اس کو اجر دے گا بشرطیکہ اس کو حاصل کرنے کے طریقے جائز رہے ہوں"۔ یہ سن کر ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ایسا کر کے وہ انسان صرف اپنے دل کی خواہش کو پورا کر رہا ہے۔ پیغمبر نے فوراً جواب دیا: "اگر وہ اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے کوئی غلط طریقہ اپناتا تو اس کو سزا ملتی، تو صحیح طریقہ اپنانے کی وجہ سے اسے انعام کیوں نہیں ملے گا۔"

دین کو پوری طرح سے زندگی کو بہتر بنانے کے لئے وقف ہونا چاہیے نہ کہ وہ صرف چند دنیوی زندگی سے ماورا امور سے متعلق ہو۔ دین کے اس نئے تصور نے نئی اخلاقی قدروں کو جنم دیا۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی ایک خاص بات یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں انسانیت کے مختلف امور پر اس کا اثر بہت قوی ہے، عوام پر اس کا گہرا اثر، حقوق و واجبات

کے تصورات کا تعین، جاہل وحشی اور عقل مند فلسفی دونوں کے لئے یکساں طور پر مناسب اور بدلنے کی صلاحیت رکھنے والا ہونا ان تعلیمات کی خصوصیات میں سے ہے۔

لیکن یہ بات ٹھیک سے ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اچھے اعمال کی تاکید اعتقاد کی درستگی کو قربان کر کے نہیں کی گئی ہے۔ ایسے مدارس فکر بھی ہیں جو اعمال کو قربان کر کے متعینہ اعتقاد کی دعوت دیتے ہیں، یا اعتقاد کو قربان کر کے عمدہ اعمال کی دعوت دیتے ہیں، لیکن اسلام صحیح اعتقاد اور صحیح اعمال پر قائم ہے۔ وسائل اتنے ہی اہم ہیں جتنے نتائج۔ اور نتائج اتنے ہی اہم ہیں جتنے وسائل۔ ان دونوں کے درمیان زندہ وحدت ہے۔ دونوں ایک ساتھ زندہ ہیں اور نشو ونما پاتے ہیں۔ اگر آپ ان دونوں کو الگ الگ کر دیں تو دونوں میں اضمحلال پیدا ہو جائے گا اور دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام میں عقیدہ کا تعلق اعمال سے ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ صحیح علم کو صحیح عمل میں تبدیل کر کے صحیح نتائج حاصل کئے جاتے ہیں ——— "جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے اعمال کرتے ہیں وہی جنت میں داخل ہوں گے"۔ ——— یہ الفاظ قرآن میں بار بار کم از کم پچاس بار دہرائے گئے ہیں۔ غور و فکر کی ہمت افزائی کی گئی ہے، لیکن غور و فکر خود ایک مقصد نہیں ہے۔ اسلام کے دائرہ میں ان لوگوں کا وجود نہیں ہے جو اعتقاد تو رکھتے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کا تصور بھی ناقابل فہم ہے جو ایمان تو رکھیں لیکن عمل غلط کریں۔ الٰہی قانون صرف میعاروں کا قانون نہیں، بلکہ محنت و عمل کا قانون ہے۔ الٰہی قانون نے انسان کے لئے دائمی ترقی کا راستہ بتایا ہے جس میں انسان علم سے عمل کی طرف اور عمل سے اطمینان کی طرف ترقی کرتا ہے۔

وہ صحیح اعتقاد کون سا ہے جس سے صحیح عمل خود بخود ابلتا ہے اور جس سے مکمل سکینت حاصل ہوتی ہے؟ یہ مرکزی اعتقاد توحید ہے۔ "خدا کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے" کا اعتقاد ہی وہ محور ہے جس کے گرد اسلام کی ساری تعلیمات اور سارے اعمال گھومتے ہیں۔ خدا ہر طرح سے ایک نادر شے ہے، نہ صرف اپنے الٰہی وجود کی وجہ سے بلکہ اپنی الٰہی صفات کی وجہ سے بھی۔

ٹامس کارلائل نے لکھا ہے کہ اسلامی تعلیم کے مطابق ہماری ساری طاقت خدا کی اطاعت میں چھپی ہوئی ہے۔ چاہے وہ ہمارے ساتھ کچھ بھی کر رہا ہو، چاہے وہ موت یا موت سے بدتر کوئی چیز بھیج رہا ہو، وہ بہر حال ہمارے لئے اچھی ہے اور یوں ہم اپنے کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں۔ کارلائل مزید لکھتا ہے "گوئٹے کا کہنا ہے کہ اگر اسلام یہی ہے تو کیا ہم سب اسلام میں نہیں رہ رہے ہیں۔ ہاں ہم سب جو اخلاقی زندگی رکھتے ہیں اسلام ہی میں رہ رہے ہیں۔ یہ وہ سب سے بڑی حکمت ہے جو کہ اب تک آسمان نے زمین پر آشکارا کی ہے۔

نوٹ: یہ مضمون ایک انگریزی کتاب "محمد دی پرافٹ آف اسلام" کے کچھ اجزا کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب پروفیسر کے۔ ایس۔ راما کرشنا راؤ (ہیڈ ڈپارٹمنٹ آف فلاسفی، گورنمنٹ کالج فار ویمن، میسور) کی لکھی ہوئی اور بورڈ آف اسلامک پبلی کیشنز دہلی کی طرف سے پہلی بار ۱۹۷۹ میں شائع ہوئی ہے۔

MOHAMMAD:
On Top of the Hundred Bests

(Mohammad) was the only man in history who was supremely successful on both the religous and the secular levels. Of humble origins, Mohammad founded and promulgated one of the world's greatest religions and became an immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive. The Bedouine tribesmen of Arabia had been no match for the larger armies of the kingdomes in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Mohammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. For a while, it must have seemed that the Muslims would overwhelm all of Christian Europe. However, in 732, at the famous battle of Tours, a Muslim army which had advanced into the centre of France, was at last defeated by the Franks. Nevertheless, in a scant century of fighting, these Bedouin tribesmen, inspired by the word of the prophet, had carved out an empire stretching from the borders of India to the Atlantic ocean—the largest empire that the world had yet seen. Of many important historical events, one might say that they were inevitable and would have occurred even without the particular political leader who guided them. But this cannot be said of the Arab conquests. Nothing similar had occurred before Mohammad, and there is no reason to believe that the conquests would have been achieved without him. We see then, that The Arab conquests of the seventh century have continued to play an important role in human history, down to the present day. It is this unparalleled combination of secular and religious influence which I feel entitles Mohammad to be considered the most influential single figure in human history.

Dr. Michael H. Hart, *The 100,* New New York 1978.

آپ سب سے بڑے تھے

میرا یہ انتخاب کہ محمدؐ دنیا کی تمام انتہائی با اثر شخصیتوں میں سرفہرست ہیں، کچھ قارئین کو اچنبھے میں ڈال سکتا ہے۔ کچھ اور لوگ اس پر معترض ہو سکتے ہیں۔ مگر محمد تاریخ کے واحد شخص تھے جنھوں نے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی، مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی۔ محمدؐ نے معمولی حیثیت سے آغاز کر کے ایک عظیم ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا۔ وہ انتہائی مؤثر سیاسی لیڈر بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد آج بھی ان کے اثرات غالب اور طاقتور ہیں۔

اس کتاب میں جن اہم تاریخی شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، ان کی اکثریت اس خوش قسمتی کی مالک تھی کہ وہ تہذیب کے مرکزوں میں پیدا ہوئی اور وہاں پلی بڑھی۔ وہ ایسی قوموں کے فرد تھے جن میں اعلیٰ تمدن تھا یا ان کو سیاسی مرکزیت حاصل تھی۔ مگر محمد ۵۷۰ء میں مکہ کے شہر میں پیدا ہوئے جو جنوبی عرب میں واقع تھا اور اس وقت دنیا کا ایک پس ماندہ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ تجارت، آرٹ اور علم میں اس کو کوئی مرکزیت حاصل نہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں یتیم ہو کر ان کی پرورش ایک معمولی ماحول میں ہوئی۔ اسلامی روایات مزید بتاتی ہیں کہ وہ بے پڑھے لکھے تھے۔ ان کی اقتصادی حالت ۲۵ سال کی عمر میں صرف اس وقت بہتر ہوئی جب کہ انھوں نے ایک دولت مند بیوہ سے شادی کی جن کی عمر ۴۵ سال تھی۔ تاہم چالیس سال کی عمر تک بظاہر کوئی ایسی علامت نہ تھی کہ وہ کوئی ممتاز شخصیت کے انسان ہیں۔

بیشتر عرب اس وقت آسمانی کتاب سے محروم تھے۔ وہ بہت سے دیوتاؤں پر عقیدہ رکھتے تھے۔ تاہم مکہ میں محدود تعداد میں کچھ یہودی اور عیسائی تھے۔ محمدؐ نے سب سے پہلے انھیں سے واحد اور قادر مطلق خدا کا تصور لیا جو تمام کائنات کا حکمراں تھا۔ جب ان کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو محمدؐ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک سچا خدا (اللہ) ان سے کلام کر رہا ہے۔ اور اس نے سچے مذہب کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب کر لیا ہے۔

تین سال تک محمدؐ صرف اپنے قریبی دوستوں اور متعلقین پر تبلیغ کرتے رہے۔ پھر تقریباً ۶۱۳ء میں انھوں نے عوام میں تبلیغ شروع کی۔ دھیرے دھیرے لوگوں نے ان کے مذہب کو قبول کرنا شروع کیا تو مکہ کے سرداران کو اپنے لئے ایک خطرناک مصیبت سمجھنے لگے۔ ۶۲۲ء میں محمدؐ کو اپنی حفاظت کا خطرہ محسوس ہونے لگا اور وہ مدینہ چلے گئے جو مکہ کے شمال میں تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں ان کو قابل لحاظ سیاسی طاقت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

یہ ہجرت پیغمبر کی زندگی میں ایک نقطۂ انقلاب تھا۔ مکہ میں ان کے ساتھیوں کی تعداد صرف چند تھی۔ مدینہ میں ان کے ساتھیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے جلد اتنا اثر پیدا کر لیا کہ عملاً وہ مدینہ کے مطلق حکمراں بن گئے۔ اگلے چند سال میں، جب کہ محمدؐ کے ساتھیوں کی تعداد تیزی سے بڑھی، مدینہ اور مکہ کے درمیان جنگوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا یہ جنگ ۶۳۰ء میں ختم ہوئی جب کہ محمدؐ دوبارہ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ان کی زندگی کے بقیہ ڈھائی سالوں میں عرب قبیلے بہت تیزی سے ان کے نئے مذہب میں داخل ہو گئے۔ ۶۳۲ء میں جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو وہ تمام جنوبی عرب کے حکمراں بن چکے تھے۔

عرب کے بدو قبائل ماضی سے سخت جنگ جو چلے آرہے تھے۔ مگران کی تعداد کم تھی اور وہ اختلاف اور باہمی لڑائیوں کے نتیجہ میں برباد ہورہے تھے۔ وہ شمالی عرب کے زرعی علاقوں میں آباد شہنشاہیتوں کی بڑی فوجوں سے کوئی نسبت نہ رکھتے تھے۔ تاہم محمدؐ نے پہلی باران کو منظم کیا۔ ایک خدا پر پُرجوش اعتقاد سے مسلح ہو کر یہ چھوٹی عرب فوجیں انسانی تاریخ کی سب سے حیرت ناک فتوحات کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کی عظیم نو پارسی شہنشاہیت تھی، عرب کے شمال جنوب میں بازنطینی یا مشرقی رومی شہنشاہیت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ عددی اعتبار سے عرب اپنے حریفوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم جنگ کے میدان میں پُرجوش عربوں نے بہت تیزی سے تمام میسوپوٹامیہ، شام اور فلسطین کو فتح کرلیا۔ ۶۴۲ میں مصر کو بازنطینی سلطنت سے توڑ لیا گیا۔ ایرانی فوجیں، ۶۳۷ میں قادسیہ اور ۶۴۲ میں نہاوند کی جنگوں میں پسپا کردی گئیں۔

مگر یہ عظیم فتوحات، جو کہ محمدؐ کے قریبی ساتھیوں اور ابتدائی خلفاء ابوبکرؓ اور عمر بن الخطابؓ کی رہنمائی میں انجام پائیں، عرب پیش قدمیوں کی انتہا نہ تھیں۔ ۷۱۱ تک عرب فوجوں نے شمالی افریقہ سے لے کر بحر اٹلانٹک تک مکمل طور پر فتح کرلیا تھا۔ یہاں سے وہ شمال میں مڑے اور آبنائے جبرالٹر کو پار کرتے ہوئے اسپین کی گاتھ سلطنت کو مغلوب کرکے اس پر قبضہ حاصل کرلیا۔

تھوڑی دیر کے لئے محسوس ہونے لگا کہ مسلمان تمام مسیحی یورپ پر قابض ہو جائیں گے۔ مگر ۷۳۲ میں تورس کی مشہور جنگ میں ایک مسلمان فوج، جو کہ فرانس کے مرکز تک پہنچ چکی تھی، بالآخر فرانسیسیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئی۔ تاہم ان بدو قبائل نے، جو کہ پیغمبر کی تعلیمات سے متاثر تھے، ایک صدی کی قلیل مدت میں ایک ایسی سلطنت قائم کرلی جو ہندستان کی سرحدوں سے لے کر بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اتنی بڑی سلطنت تھی جیسی سلطنت اس سے پہلے تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ تمام ممالک جو عربوں نے فتح کئے، ہر جگہ بہت بڑے پیمانہ پر لوگوں نے نئے مذہب کو قبول کرلیا۔

یہ تمام فتوحات مستقل ثابت نہ ہوسکیں۔ ایرانی اگرچہ پیغمبرؐ کے مذہب پر قائم رہے، تاہم انھوں نے عربوں کے اقتدار سے آزادی حاصل کرلی۔ اسپین میں سات سو سال کی جنگوں کے بعد آخرکار عیسائیوں نے پورے جزیرہ نما کو دوبارہ فتح کرلیا۔ تاہم میسوپوٹامیہ اور مصر جو کہ قدیم تہذیب کے گہوارہ رہے ہیں، بدستور عرب باقی رہے اور اسی طرح شمالی افریقہ کا پورا ساحلی علاقہ بھی۔ نیا مذہب، بلاشبہ درمیانی صدیوں میں مسلمانوں کی ابتدائی مقبوضہ سرحدوں سے بہت آگے تک پھیلتا رہا۔ آج اس کے ماننے والوں کی تعداد افریقہ اور وسط ایشیا میں دسیوں ملین ہے اور پاکستان اور شمالی ہندوستان اور انڈونیشیا میں اور بھی زیادہ ہے۔ انڈونیشیا میں اسلام ایک اتحادی عامل ثابت ہوا ہے۔ تاہم برصغیر ہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کشاکش اتحاد کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ رہی ہے۔

اب اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محمدؐ کے اثرات مجموعی طور پر انسانی تاریخ کے اوپر کیا ہیں۔ تمام مذاہب کی طرح اسلام اپنے پیروؤں کی زندگی کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے بانیوں نے

ہماری اس کتاب میں نمایاں طور پر جگہ پائی ہے۔ چوں کہ عیسائی سرسری اندازہ کے مطابق، دنیا میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تقریباً دگنی تعداد میں ہیں۔ ابتدائی طور پر یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ محمدؐ کو ہم نے اس کتاب میں مسیحؑ سے اوپر رکھا ہے۔ ہمارے اس فیصلہ کے دو بڑے وجوہ ہیں۔ اول محمدؐ نے اسلام کی ترقی میں اس سے کہیں زیادہ اہم حصہ ادا کیا ہے جتنا مسیحؑ نے عیسائی مذہب کی ترقی کے لئے کیا ہے۔ مسیحیت کی بنیادی اخلاقیات، جس حد تک وہ یہودیت سے مختلف ہیں، ان کی تعلیم اگرچہ حضرت مسیح نے دی۔ مگر مسیحی الٰہیات کا وضع کرنے والا اصلاً سینٹ پال ہے۔ وہی اس کا اصل مبلغ ہے اور عہد نامہ جدید کے بڑے حصہ کا مصنف بھی۔

مگر اسلام کی الٰہیات اور اس کے بنیادی اخلاقی اصول دونوں کو دینے والے خود محمدؐ تھے۔ مزید یہ کہ نئے مذہب کی تبلیغ میں انھوں نے کلیدی حصہ ادا کیا اور اسلام کے مذہبی اعمال کو قائم کیا۔ پھر وہی ہیں جو کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کے مصنف ہیں، جو کہ محمدؐ کے کچھ واردات قلب کا ریکارڈ ہے اور جس کی بابت ان کا یقین تھا کہ وہ براہ راست خدا کی طرف سے ان پر الہام کیا گیا ہے۔ ان الہامات کا اکثر حصہ محمدؐ کی زندگی ہی میں صحت کے ساتھ لکھ لیا گیا تھا اور ان کی وفات کے جلد ہی بعد ان کو ایک مستند مجموعہ کی صورت میں مرتب کر لیا گیا۔ اس لئے قرآن قریبی طور پر محمدؐ کے خیالات اور تعلیمات کی نمائندگی کرتا ہے اور بڑی حد تک ان کے بولے ہوئے اصل الفاظ کا بھی۔ مسیحؑ کی تعلیمات کے بارے میں اس قسم کا تفصیلی مجموعہ موجود نہیں۔ قرآن چوں کہ مسلمانوں کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ بائبل مسیحیوں کے لئے۔ اس لئے قرآن کے واسطے سے مسلمانوں کے اوپر محمدؐ کا اثر غیر معمولی رہا ہے۔ اغلب ہے کہ محمدؐ کے اضافی اثرات اسلام پر اس سے بہت زیادہ ہوں جتنا کہ مسیحؑ اور سینٹ پال کا مجموعی اثر مسیحیت پر۔ البتہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالص مذہبی سطح پر محمدؐ کے اثرات انسانی تاریخ پر اتنے ہی ہیں جتنے مسیحؑ کے ہیں۔ مزید یہ کہ محمدؐ (بمقابلہ مسیحؑ کے) دنیاوی لیڈر بھی تھے اور مذہبی لیڈر بھی۔ درحقیقت عرب فتوحات کے پیچھے قوت محرکہ کی حیثیت سے ان کو تمام زمانوں میں سب سے زیادہ بااثر سیاسی لیڈر کہا جا سکتا ہے۔

اکثر اہم تاریخی واقعات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناگزیر تھے اور جس خاص سیاسی لیڈر نے اس کی رہنمائی کی، اس کے بغیر بھی وہ وقوع میں آتے۔ مثال کے طور پر، جنوبی امریکہ اس وقت بھی اسپین سے آزادی حاصل کر لیتا اگر سائمن بولیور کا سرے سے وجود نہ ہوتا۔ مگر یہی بات عرب فتوحات کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ محمدؐ سے پہلے عرب میں اس قسم کا کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور یہ یقین کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ ان کے بغیر بھی یہ فتوحات حاصل ہوتیں۔ انسانی تاریخ میں اس سے ملتی جلتی فتوحات صرف منگولوں کی ہیں جو انھوں نے تیرھویں صدی میں حاصل کیں۔ یہ فتوحات بنیادی طور پر چنگیز خاں کے اثر سے ہوئیں۔ تاہم یہ فتوحات عربوں کی فتوحات سے وسیع تر ہونے کے باوجود مستقل قائم نہ رہ سکیں اور آج منگولوں کے پاس صرف وہی علاقے ہیں جو ان کے پاس چنگیز خاں سے پہلے تھے۔

عربوں کی فتوحات کا معاملہ بالکل مختلف ہے، عراق سے مراکش تک عرب قوموں کا ایک پورا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جو نہ صرف اسلام میں اپنے عقیدہ کی وجہ سے متحد ہیں بلکہ عربی زبان، تاریخ اور کلچر بھی سب کا ایک ہے۔ مسلم مذہب میں قرآن

کی مرکزیت اور یہ واقعہ کہ وہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے، اس نے غالباً عربی کو اس سے بچایا ہے کہ وہ مختلف اور ایک دوسرے کے لئے ناقابل فہم زبانوں میں تقسیم ہو جائے۔ حالاں کہ درمیانی تیرہ صدیوں میں ایسا ہونا بالکل قرین قیاس تھا۔ عرب ریاستوں میں اختلاف اور تقسیمیں یقیناً موجود ہیں اور وہ قابل لحاظ ہیں، مگر جزئی عدم اتحاد کو دیکھ کر ہمیں اتنا اندھا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ان اہم اتحادی اجزاء کو نہ دیکھیں جو مسلسل ان کے درمیان پائے جارہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۷۴-۱۹۷۳ کی سردیوں میں عربوں نے تیل کا بائیکاٹ کیا تو ایران اور انڈونیشیا اس میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ تمام عرب ریاستیں اور صرف عرب ریاستیں اس منصوبہ میں شریک ہوئیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ساتویں صدی میں عربوں کی فتوحات انسانی تاریخ میں مسلسل اہم حصہ ادا کر رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ مذہبی اور دنیاوی اثرات کا یہی بے نظیر اجتماع ہے جو میری نظر میں محمد کو اس لائق بناتا ہے کہ ان کو تاریخ کا سب سے زیادہ باثر واحد شخص قرار دیا جائے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

یہ مضمون مائیکل ہارٹ (پیدائش ۱۹۳۲) کی کتاب ایک سو (The 100) سے ماخوذ ہے۔ مصنف ایک امریکی عالم فلکیات ہیں اور اسی کے ساتھ مورخ بھی۔ انھوں نے اور ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیوی نے مل کر دنیا کی مشہور شخصیتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعہ کا حاصل انھوں نے ۵۷۲ صفحات کی ایک انگریزی کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک سو ایسے آدمیوں کے حالات درج ہیں جنھوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر نمایاں ترین اثرات ڈالے۔ کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ مصنف کے مطالعہ کے مطابق وہ تاریخ کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ انسانی تاریخ پر آپ نے جو اثرات ڈالے وہ کسی دوسرے واحد شخص نے نہیں ڈالے۔ اس کتاب میں نمبر ۳ پر حضرت مسیحؑ، نمبر ۱۶ پر حضرت موسیٰؑ اور نمبر ۵۱ پر حضرت عمر بن الخطابؓ کو رکھا گیا ہے۔ یہاں کتاب کے اس حصہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔

کتاب میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ تاہم طریق مطالعہ کے اعتبار سے اس میں وہ خامیاں موجود ہیں جو غیر مسلم سیرت نگاروں کے یہاں اکثر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ آپ نے ابتداءً یہودیوں اور عیسائیوں سے توحید کا تصور لیا۔ یا یہ کہ آپ قرآن کے مصنف تھے۔ یہ باتیں نہ صرف ہمارے عقائد کے خلاف ہیں بلکہ خالص علمی پہلو سے بھی بالکل بے بنیاد ہیں اور ان کے رد میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان مزعومات کے علمی اور تاریخی طور پر باطل ثابت ہونے کے باوجود مغربی علماء کیوں انھیں دہراتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا مخصوص ذہن ہے، وہ "علم" کے کسی غیر زمینی ماخذ کو نہیں مانتے۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص نے زمین سے ماوراء کسی ذریعہ سے کیسے علم حاصل کر لیا۔ جب آدمی کے ذہن میں کوئی بات بیٹھ جائے تو اس کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کتنی ہی مدلل ہو، اس کے ذہن کی پکڑ میں نہیں آتی۔ وہ اپنی بات کو اس طرح دہراتا رہتا ہے جیسے کہ وہ بدستور ایک مسلمہ صداقت ہے۔ خواہ اس کو کتنے ہی معقول دلائل سے رد کیا جا چکا ہو (مترجم)

پیغمبرِ اسلامؐ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے ان کی زندگی مدوّن تاریخ کا جزء نہ بن سکی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے خالص علمی اور تاریخی اعتبار سے ان کی نبوتیں ثابت شدہ نبوتیں نہیں۔ مگر پیغمبر آخرالزماں کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ آپ کی حیثیت تاریخی طور پر مسلّم ہے۔ اس حقیقت کو دنیا کے تمام موٴرخوں نے تسلیم کیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں رسول اللہ کی زندگی اور آپ کے پیغام کے بارے میں غیر مسلم علماء اور محققین کے مضامین اور ان کے تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔

www.goodwordbooks.com

ISBN 978-93-5179-044-0

Goodword

9 789351 790440

₹ 25